سدرہ سحر عمران

مکمل ناول

کبھی عشق ہو تو پتہ چلے

لکڑی کی قدیم اور قد آور کھڑکیوں کی درزوں سے چھن چھن آتی دھوپ کی وہ دو پہلی کرنیں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ ہال نما کمرے کے جہازی سائز بیڈ پر دراز اس کا پانچ فٹ سات انچ کا وجود گلابی دھوپ کی

شرارت سے کسمسایا۔ اس کی گھنی بھوری زلفیں شاداب چہرے کے اطراف میں بکھری ہوئی تھیں۔ مندی مندی آنکھیں کھول کر اس نے دائیں ہاتھ سے بال ہٹا کر سامنے لگے وال کلاک پر ٹائم دیکھنا چاہا مگر سامنے وال کلاک کے بجائے صادقین کا فن پارہ نمایاں تھا۔

''صغریٰ!'' قدرے اٹھ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر ہاتھ مارا جو بالکل خالی تھی۔

''صغریٰ! کہاں مر گئی ہو''۔ اب کہ اس کی تیز آواز پورے کمرے میں گونجی تھی۔ اس کی مندی مندی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں وہ حیران اور ششدر نگاہوں سے ارد گرد کا جائزہ لینے لگی یہ اس کا محبوب بیڈ روم ہر گز نہیں تھا وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی تو پھر کہاں تھی؟ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ جہازی سائز بیڈ سے چھلانگ لگا کر اتری نیم تاریک کمرہ پراسرار سا لگ رہا تھا۔

''بابا......!'' اس کا دل بے ساختہ گھبرایا وہ بزدل یا ڈرپوک نہیں تھی مگر اس نا سمجھ میں آنے والی صورتحال نے اسے الجھا ضرور دیا تھا قد آدم کھڑکی کی چٹخنی کھول کر اس نے پٹ وا کیے تو جا بجا لگے لوہے کی گرل سے سامنے کا

منظر صاف نظر آ رہا تھا تا حد نگاہ تک جاتا ویران اور اجاڑ راستہ جس کی پتھریلی روش پر زرد پتوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے روش کے اطراف میں گھنے اور پرانے درختوں کی طویل لائن اور ان پر غل کرتے پرندوں کے جھنڈ......

"یہ خواب ہے یا حقیقت......؟" اس نے زور سے آنکھیں مسلیں۔ مگر منظر ابھی بھی وہی تھا۔ اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ راستہ بھٹک کر کسی اجنبی دیس میں نکل آئی ہو۔ یہاں موجود ہر شے کا لمس اس کے لئے نامانوس اور اجنبی تھا معاً اس کی نگاہ گرل پر جمے ہاتھوں سے ہوتی اس کے بدن پر جا رکی۔ وہ اس وقت اپنی مہین سیاہ نائٹی میں نہیں بلکہ وائٹ جینز اور میرون ٹی شرٹ میں تھی اسے یاد آیا کہ یہ ڈریس اس نے کل کہاں جانے کے لئے پہنا تھا ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ اس نے پلٹ کر کمرے کے طول و عرض کو دیکھا کمرے کی حالت کسی پراسرار اور قدیم حویلی کے تہہ خانوں جیسی تھی۔

"تو کیا مجھے......" وہ بھاگ کر مین ڈور کی طرف بڑھی۔

"کس کی جرأت ہو سکتی ہے؟ کس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ ہشام آفندی کی بیٹی کو کڈنیپ کرنے کی حماقت کر بیٹھا" غیض کے عالم میں اس نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مار کر تمام لائٹس اور پنکھے آن کر دیئے درمیان میں رکھے ٹیبل پر رکھی چند مردانہ چیزوں نے اس کی حیرانگی میں مزید اضافہ کیا تھا وہ ان تمام چیزوں کو اچھی طرح پہچانتی تھی بہت قریبی رشتہ تھا اس کا ان چیزوں کے مالک سے۔

"تو یہ تم ہو......؟" اس کے غصے پر نفرت غالب آنے لگی وہ اب مین ڈور کے لاک کھولنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی مگر دروازہ باہر سے بند تھا۔

"بہت برا کیا ہے تم نے اپنے ساتھ بہت برا"۔ اس نے ٹھوکر سے ٹیبل الٹا دی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆

"نہیں چاچی! اب اس احمق کی باتوں کا برا کیا ماننا۔ میں جانتا ہوں اسے ایویں ہی چھوڑتا رہتا ہے"۔ کٹے ہوئے امرودوں پر نمک مرچ چھڑکتے ہوئے محسن شاہ کے عنابی لبوں پر مسکان بکھری ہوئی تھی۔

"بس ایک تو اور ایک تیری چاچی، ساری عقل مندی کا اسٹاک تو تم دونوں کے پاس جمع ہے باقی دنیا تو احمق ہے"۔ وہ چڑ گیا۔

"تو غلط کیا ہے اس میں؟"

"غلط یہ ہے کہ میں نے اب واقعی شہر جانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں جو فیصلہ کر لوں وہ پتھر پر لکیر ہوتا ہے"۔ ہاتھ میں پکڑی پلیٹ اس نے زمین پر پٹخ دی۔

"نہیں تو مجھے یہ بتا یہاں رہنے میں کیا حرج ہے دیسی ماحول، دیسی کھانے سواد ہی سواد زندگی کا اصل لطف تو سادگی میں ہی ہے تو چند دنوں میں سب کچھ بھول گیا شہر جا کر ارے کراچی تو سمندر ہے انسانوں کا وہاں جو جائے تو ملتا نہیں دوبارہ"۔

"کراچی پھر بھی کراچی ہی ہے کم از کم میں اس گاؤں کے مقابلے میں اس شہر کو ہی ترجیح دوں گا زندگی اصل میں ہوتی کیا ہے وہاں رہ کر پتہ چلتا ہے اور یہاں صدیوں سے ہم کنویں کے مینڈک بنے ہوئے ہیں دنیا بس ٹی وی اور ٹیلی فون پر ختم نہیں ہے راجہ تو شہر جا کر دیکھ تو سہی ایک بار واپسی کا راستہ بھول جائے گا"۔ جوش کے باعث اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''اچھا تو چھوڑ ان باتوں کو تعلیم تیری سیدھی سادھی میٹرک کرے گا کیا وہاں پر؟ وڈا شہر ہے تو تعلیم بھی وڈی چاہیے گی''۔

''تو مجھے جانے تو دے سب کے وارے نیارے نہ کروائے تو ناں بدل دینا''۔ اس نے سینے پر ہاتھ مارا۔

''چاچی! مانتا تو ہے نہیں اس نے جانے دے اسے ایک بار کراچی کا سواد بھی چک لینے دے پٹھے (الٹے) پیر واپس آیا تو کہنا۔ گاؤں میں بھی سارا دن ویلا نکما پھرتا رہتا ہے۔ اچھا ہے کسی کام دھندے سے لگ جائے پھر خالہ کوثر بھی سعدیہ کو بیاہنے کے چکروں میں ہے یہ کچھ کمائے گا تو تو اس کا بیاہ کرے گی''۔

''نہ بھئی! میرا اتنا جگرا نہیں ہے اپنے اکو اک پتر کو اتنی دور بھیج دوں۔ ویلا نکما پھرتا ہے رہتا تو میری نظروں کے سامنے ہی ہے نا پھر کمائی کا کیا ہے چوہدری ہے گاؤں کا۔ آغاجی کے بعد ساری زمینداری اس نے ہی دیکھنی ہے''۔ نسیمہ بالکل تیار نہیں ہوئی۔

''وہی تو کہہ رہا ہوں چاچی! ابھی دو چار سال مزے کر لینے دے پھر بیاہ ہو گیا تو خود ہی عقل آ جائے گی نویں نویں جوانی کا چاہ چڑھا ہوا ہے اور پھر میں ہوں نا تیرے پاس تیرا پتر نہیں پر تو تو میرے لئے ماں جیسی ہے میں نے تو اماں کے مرنے کے بعد تجھے ہی ماں سمجھا ہے''۔

''تو اپنی جگہ ہے اور یہ اپنی جگہ چل اگر اس کی یہی ضد ہے تو میں آغاجی سے بات کروں گی وہ مان گئے تو ٹھیک''۔

''اوماں دی گریٹ......'' اس نے بے ساختہ نعرہ لگایا۔

''ایک تو آج کل کی اولاد بھی بس اپنی من مانیوں میں خوش رہتی ہے''۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی صحن پار کر گئیں۔

''اوجی اوئے راجہ! جو بات اتنے دنوں سے میں اماں کو نہیں سمجھا پایا وہ تو نے سمجھا دی ہے''۔ اس نے محسن شاہ کے شانے پر بازو پھیلا دیے۔

''تو کراچی جا تو رہا ہے مگر واپس تجھے یہیں آنا ہے''۔ وہ قدرے اداس تھا بچپن کی دوستی تھی۔

''تو ابھی جانے تو دے یارا!'' وہ بے حد خوش تھا اس کی اداسی نوٹ ہی نہ کر سکا۔

☆......☆......☆......☆......☆

''اماں! کمال کرتی ہو میں کراچی جا رہا ہوں کسی اجنبی دیس میں نہیں اگر کوئی چیز بھول بھی گیا تو وہاں سے لے لوں گا طاقت کی دوائیاں رہنے دے، بہت کھالیں دیسی گھی کا حلوہ تو چلو میں ارشد کے گھر والوں کو دے دوں گا''۔

''خبردار! میں نے اتنی محنت کر کے تیرے لئے بنایا ہے اور تو دے دے گا ارشد کو ذرا بھی صحت خراب ہوئی نا تیری کان سے پکڑ کر واپس لے آؤں گی میں نے تو منجیری......'' نسیمہ بیگ میں ٹفن ٹھونس رہی تھی۔

''نہیں، نہیں...... یہ رہنے دے اپنے دوجے پتر کو کھلاتی رہنا میرا دل بھاری ہونے لگتا ہے''۔

''ہا ہائے پتر! یہ مقوی غذائیں کھا کر تیرا دل بھاری ہونے لگتا ہے تو تو ابھی سے شہری بابو بن گیا''۔

''چاچی! ٹھیک کہہ رہا ہے یہ زیادہ مقوی غذائیں نقصان بھی دیتی ہیں یہ میں لے جاؤں گا جب اس سے ملنے کراچی جاؤں گا چند دن یہ کراچی کے ملاوٹ والے کھانے کھالے''۔ محسن اس کے جوتے رگڑ رہا تھا۔

''ویسے راجہ! مجھے وہاں تیری یاد تو بہت آئے گی تو اتنے کام کرتا ہے میرے''۔ بال بناتے ہوئے وہ قد آدم آئینے میں مسکراتے ہوئے محسن کو دیکھ رہا تھا۔

''چل کسی بہانے تو مجھے یاد تو کر لیا کرے گا ورنہ میرا تو سگا ابا بھی جب سے کراچی گیا ہے اس نے کبھی مجھے یاد نہیں کیا''۔

"ویسے پتر! اپنے تایا کا اتا پتہ تو کرنا کہیں' لوگ تو کہتے ہیں اس نے دوبارہ ویاہ کرلیا ہے"۔

"لوگ ٹھیک کہتے ہیں اماں"۔ وہ اب جھک کر دراز میں سے راڈو کی ریسٹ واچ نکال رہا تھا سیاہ کاٹن کے کھڑ کھڑاتے ہوئے شلوار قمیض میں وہ واقعی گاؤں کا چوہدری لگ رہا تھا۔ محض اٹھارہ برس کی عمر میں ہی اس کا قد مردوں جیسا تھا وہ لمبی چوڑی جسامت کے باعث تیس چوبیس سے زائد کا ہی لگتا تھا۔

"کہاں کیا ہوگا ویاہ اس نے اسے تو اپنی ہوش نہیں ہوتی چاچی"۔ اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔

"پھر بھی تو پتہ تو کرنا"۔

"کرلوں گا پتہ اماں! یہ تعویز اتار دوں ایک کافی ہے پیر صاحب لگنے لگا ہوں"۔ اس نے دو اضافی تعویز اتار دیے۔

"نہ نہ پتر! یہ غضب نہ کرنا کرماں والے پیر سے لئے ہیں بڑے پہنچے ہوئے ہیں بڑی حفاظت اور نجر نجر کے لئے ہیں"۔

"او اماں! نہیں لگتی مجھے نظر"۔ اس نے لاپرواہی سے تعویز دراز میں ڈال دیے۔

"اور چاچی! حفاظت کی خوب کہی تم نے حفاظت ہماری ہمارا رب کرتا ہے یا ان دو نمبر بابوں کے تعویز"۔

"نہ پتر! ایسے نہیں کہتے"۔

"تو رہن دے اس بات کو اماں کو اپنے کرماں والے پیر پر بڑا بھروسہ ہے میری خیر خیریت اسی سے پوچھ لیا کرنا' اماں سنا ہے بڑے کالے جنات ہے اس کے پاس"۔

"مخول کر رہا ہے خبیث"۔ وہ ہنسنے لگیں۔

"نہیں...... سچ کہہ رہا ہوں"۔

"ہوگئی تیری تیاری؟" وہ توصیفی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں! ہیرو لگ رہا ہوں نا"۔ اس نے کالر اٹھائے۔

"ہیرو تو تو ہے ہی اب زیرو ہو کر نہ آجانا وہاں سے چل فیر نکل ٹرین کا ٹائم ہونے والا ہے"۔ وہ اس کا بیگ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

"اچھا اماں!" اس نے مسکرا کر نسیمہ کو دیکھا جس کے آنسو بہنے لگے تھے پہلی بار وہ اس سے اتنی دور جا رہا تھا اس کا ممتا بھرا دل بیٹھ رہا تھا۔

"تیری ضد کے آگے مجبور ہوں پتر! جھٹی چکر لگانا"۔ اس نے ماتھا چوم کر کہا۔

"ابا کو سلام کہنا' کل ملاقات تو ہوگئی تھی آج صبح ساتھ والے گاؤں چلے گئے"۔

"من ہی من ناراض ہیں تجھ سے چل میں سمجھا لوں گی خدا خیر خیریت سے پہنچائے"۔ ان کے لب لرزنے لگے تھے۔

"اماں! روؤ گی تو کیسے جا پاؤں گا"۔ اس کی پلکیں بھی بھیگ گئیں تھیں۔

"چل نہیں روتی تو جا......" وہ تیزی سے باہر نکلا تو ان کا خود پر قابو رکھنا دشوار ہوگیا۔

جانے کیوں انہیں ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے کو ہمیشہ کے لئے کھو دیں گی۔

☆......☆......☆......☆......☆

قدیم گھڑیال رات کے گیارہ بجنے کی اطلاع دے رہا تھا' کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے وہ گذشتہ تین گھنٹوں سے ایزی چیئر پر دراز ٹیبل لیمپ کے ساتھ مگن تھی: کبھی اسے روشن کر دیتی اور کبھی گل...... اتنی بڑی حویلی میں اس کے علاوہ کوئی نفس موجود نہیں تھا یہ بات اسے اندر ہی اندر پریشان اور خوفزدہ کر رہی تھی مگر وہ خود کو اس پہلو پر سوچنے سے بچا رہی تھی اس

کا سیل فون اور والٹ وغیرہ سب کچھ نکال لیا گیا تھا۔

معاً دروازے کا ہینڈل گھومنے کی آواز آئی اس کی جھولتی چیئر ایک زاویے پر ٹھہر گئی اندر داخل ہونے والا جو کوئی بھی تھا اسے دیکھ کر اس کے بدن میں سرد لہر دوڑ گئی تھی سیاہ شکل...... موٹے موٹے نقوش اور کھچڑی بالوں والے اس لمبے چوڑے شخص کے ہاتھوں میں بڑی سی ٹرے تھی جسے اس نے ٹیبل پر رکھا اور خاموشی سے پلٹ گیا۔

"اے...... اے رکو......" وہ جب تک حواسوں میں آئی وہ واپس جا چکا تھا۔

"سنو...... بات سنو میری"۔ وہ اب دروازہ پیٹ رہی تھی۔

"کوئی ہے...... کوئی ہے؟" اس کی ہتھیلیاں سرخ ہونے لگی تھیں۔

"پلیز! دروازہ کھولو میرا دم گھٹ رہا ہے یہاں پلیز"۔ آنسو کب پلکوں کی باڑھ پھلانگ گئے اسے اندازہ نہیں ہوا۔

"دروازہ کھولو یوں بزدلوں کی طرح مجھے کمرے میں قید کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم لوگ' مرد ہو تو مردوں کی طرح بات کرو اذلان شاہ! بہت برا کر رہے ہو تم میرے ساتھ یہ سلوک کر کے دروازہ کھولو"۔ تکلیف کے باعث آنسوؤں میں روانی آگئی تھی۔

"تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو خود کو محافظ کہتے ہو تو لٹیرے کیوں بن رہے ہو اذلان شاہ میرے ساتھ اس طرح زبردستی کر کے تم کچھ بھی حاصل نہیں کر پاؤ گے میں نہ جھکنے والوں میں سے ہوں نہ ٹوٹنے والوں میں سے"۔ اس نے ٹرے اٹھا کر دروازے پر دے ماری تھی اور خود بیڈ پر گر کر رونے لگی۔

☆......☆......☆......☆......☆

کراچی کینٹ کے پلیٹ فارم پر قدم رکھتے ہوئے اس نے اطراف میں نگاہ دوڑائی تھی' ارشد کا شناسا چہرہ اسے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا چند ہفتے قبل وہ اپنے جگری دوست ارشد کے کہنے پر ہی اس سے ملنے کراچی آیا تھا وہ لوگ چند سال پہلے گاؤں سے شہر شفٹ ہوئے تھے اور وہ ہفتے کے چند دنوں میں اس شہر سے اتنا متاثر ہوا تھا کہ اگلی عمر یہیں بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا اگلے چند مہینے اسے اماں اور راجہ کو قائل کرتے گزرے تھے راجہ اس کا واحد کزن اور عزیز دوست تھا جو بچپن سے انہی کے ساتھ رہتا تھا۔

ارشد شاید اورنگی میں رہتا تھا یا کورنگی میں اسے ٹھیک طرح سے یاد نہیں تھا اس نے وہیں کھڑے کھڑے سیل پر اس کا نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو...... ارشد...... میں"۔

"ہاں...... میں تمہیں ہی ڈھونڈ رہا ہوں کہاں ہو تم؟"

"رہنے دے مجھے نظر آگیا ہے تو"۔ اس نے سامنے سے آتے ارشد کو دیکھ کر ہاتھ پھیلایا اور موبائل آف کر کے جیب میں ڈال لیا۔

"مجھے یقین تھا تو ضرور آئے گا کراچی میں کشش ہی اتنی ہے"۔ ارشد نے اسے بانہوں میں بھینچ لیا۔

"بہت مشکلوں سے آیا ہوں اکلوتا بیٹا ہوں نا اپنے ماں باپ کا آمادہ نہیں تھے بھیجنے پر"۔ وہ دونوں باتیں کرتے پارکنگ کی طرف چلے آئے۔

"رشتہ دار تو کوئی نہیں ہے نا تیرا یہاں پر"۔

"رشتے دار......" اسے بے ساختہ اپنے تایا یاد آئے وہ پندرہ برس پہلے کراچی آئے تھے اور کبھی پلٹ کر نہیں گئے۔

"نہیں...... رشتے دار تو کوئی نہیں ہے"۔ وہ اب لوگوں کے جم غفیر پر نظر دوڑا رہا تھا۔ کتنے لوگ تھے اس شہر میں یہاں

کھو جانا کوئی تعجب آمیز بات نہیں تھی۔

''چند دن تیرے پاس گزارہ کروں گا' پھر کوئی نوکری''۔

''اس کے بعد چھوکری''۔ ارشد نے بے ہنگم انداز میں قہقہہ لگایا۔

''چھوکری تو ملی ہوئی ہے یارا'' وہ بھی ہنس دیا۔

''ہیں......سچ''۔

''ہاں! خالہ کی بیٹی ہے''۔ بے حد رش میں چلنا دشوار امر لگ رہا تھا اسے۔

''چل یہ قصہ تو خلاص ہے ویسے کراچی کی جل پریاں بھی بری نہیں''۔ چنگھاڑتے میک اپ اور ٹائٹ لباس میں چند لڑکیوں کا گروپ ان کے قریب سے ہنستے ہوئے گزرا تھا۔

''میں نے کب کہا کہ بری ہیں''۔ وہ بھی اب رنگ برنگ تتلیوں کی نزاکتیں ملاحظ کر رہا تھا۔

''ارے یارا!'' اس نے سر پر ہاتھ مارا۔

''اماں نے کہا تھا جاتے ہی خیریت کی اطلاع دینا''۔ وہ جیب سے موبائل نکالنے لگا مگر یہ کیا اس کا ہاتھ دوسری طرف سے نکل گیا۔

''ہیں......'' وہ حیران رہ گیا اس کی جیب کٹ چکی تھی ارشد کو ایک بار پھر ہنسنے کا موقع ملا تھا۔

''یہ کراچی ہے میری جان! یہاں یہ بہت معمولی جرم ہے''۔ وہ بدستور ہنس رہا تھا مگر اس کے لبوں پر مسکان کے بجائے حیرانگی اور افسردگی رقم تھی وہ پہلے ہی قدم پر اٹھارہ ہزار کا موبائل اور پانچ ہزار کی رقم ڈبو چکا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

اسے یہاں آئے آج تیسرا روز تھا ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے وہ بری طرح تھک جاتی تو بیڈ پر ڈھیر ہو جاتی کل دوپہر جانے کس وقت اس کی آنکھ لگی تھی اور کوئی ٹیبل پر کھانا رکھ گیا تھا اس کے اٹھنے تک وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا مگر شدید بھوک میں وہ ٹھنڈا کھانا ہی زہر مار کر گئی تھی اسے بھوکا رہنے کی عادت نہیں تھی گھر میں درجنوں ملازم اس کے سامنے ہمہ وقت مستعد رہا کرتے مگر اب تو اس کی بھوک کا احساس تک ختم ہو چکا تھا اس نے کبھی تھوڑی سی ٹھنڈی چائے تک نہیں پی تھی بلکہ وہ فوراً کپ اٹھا کر دیوار پر دے مارتی تھی اور اب تین دنوں سے وہ ساری نزاکتیں بھولی ہوئی تھی ذہن پر بس یہاں سے نکلنے کی دھن سوار تھی۔

اب بھی وہ کافی دیر سے لوہے کی مضبوط گرلوں کو ہلانے جلانے کی کوشش کر رہی تھی ان کا پلستر قدرے اکھڑا ہوا تھا اپنی ہائی ہیل کی سینڈل پلستر پر بجا بجا کر وہ تھک گئی تو گرل سے سر لگا کر بے بسی سے آنسو بہانے لگی تھی اس کے لان میں اس کے درجنوں پالتو پرندے سنہری پنجروں میں قید تھے اسے رنگ برنگ پرندے پالنے کا از حد شوق تھا وہ بہترین شکاری بھی تھی اور آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔

نیلے آنگن پر اڑتے پرندوں کو حسرتناک نظروں سے تکتے ہوئے اس کے ذہن میں یہی احساس حاوی ہو رہا تھا کہ یہاں سے نکلتے ہی وہ سب سے پہلے اپنے پرندوں کو آزاد کرے گی۔

''مگر میں یہاں سے نکلوں گی کیسے؟'' اسے پھر سے رونا آ گیا۔

''کتنے بزدل ہو تم سامنے آنے سے کیوں ڈرتے ہو؟'' وہ اذلان شاہ کو سوچنے لگی معاً فون کی مہین گھنٹی نے اسے چونکا دیا وہ سرعت سے اٹھی بیڈ کی دائیں سائیڈ والی دیوار پر لگے انٹر کام کی بیل بج رہی تھی اس نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔

''آزادی کا احساس کتنا خوش کن ہوتا ہے آج تمہیں احساس ہوا ہو گا''۔ بھاری گھمبیر آواز ایئر پیس میں گونجی تھی اور وہ پھٹ پڑی۔

''تم......بزدل شخص کیا ثابت کرنا چاہتے ہو مجھے اس طرح قید کر کے شاید تم بابا کو اچھی طرح جانتے نہیں ہو انہیں بھنک بھی پڑ گئی کہ میری کڈنیپنگ میں تمہارا ہاتھ ہے تو ساری اکڑ بھول جاؤ گے کیا چاہیے تمہیں۔ کتنا پیسہ چاہیے لالچی انسان۔ بابا کو ایک فون کرو گے اور وہ......''

''ظاہری بات ہے انہوں نے ساری عمر یہی کام کیا ہے''۔ وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

''شٹ اپ......'' وہ پھنکاری۔

''ہمت ہے تو سامنے آ کر بات کرو بزدلوں کی طرح منہ چھپا کر کیوں بیٹھ گئے ہو میں ڈرتی نہیں ہوں تم سے سمجھے''۔

''رئیلی......؟'' اسے شاید یقین نہیں آیا تھا۔

''چاہتے کیا ہو تم......؟''

''اتنی بے چین کیوں ہو رہی ہو بہت جلد بتا دوں گا''۔

''تم ابھی اس وقت یہاں موجود ہو نا سامنے آؤ میں سامنے آ کر بات کرنا چاہتی ہوں''۔

''آئی ایم سوری''۔ اس نے لائن ڈسکنیکٹ کر دی۔

''اے سنو......ہیلو......ہیلو''۔ مگر فون بند ہو چکا تھا۔

''او شٹ......'' اس نے ریسیور پٹخ دیا دفعتاً اس کی سماعتوں میں گاڑی کی آواز آئی اس نے کھڑکی سے جھانکا تو اذلان شاہ کی جیپ روش پر جا رہی تھی۔

''اے......اے......بات سنو''۔ وہ پوری قوت سے چلائی مگر گاڑی نکلتی چلی گئی۔ وہ بے ساختہ اسے گالیاں دینے لگی تھی۔

''بابا کتنے پریشان ہوں گے''۔ وہ پھر سے ٹہلنے لگی اور پہلی بار اس نے کمرے کو بغور دیکھا۔

''اس الماری میں کیا ہے کھول کر دیکھوں''۔ کچھ سوچ کر وہ کونے میں رکھی الماری کی طرف بڑھی پہلا پٹ کھولا تو سامنے ہینگرز پر مردانہ کپڑے لٹکے ہوئے تھے اور درازوں میں چند کاغذات اور پین وغیرہ پڑے تھے دوسرا پٹ لاک تھا۔

''میرے کام کی کوئی چیز نہیں ہے''۔ اس نے یونہی نچلے دراز میں ہاتھ مارا۔ اس کے ہاتھ میں ایک فریم شدہ تصویر تھی یہ ایک فیملی گروپ فوٹو تھی بہت سے چہروں کو وہ پہچانتی نہیں تھی مگر چند چہرے......وہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے ان چہروں کو دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆

''یہاں تو ماسٹر کی ڈگری رکھنے والوں کو کوئی گھاس نہیں ڈالتا اور تو میٹرک کی سند لئے پھر رہا ہے احمق! میٹرک کو کون پوچھتا ہے آج کل میں خود ایف اے ہوں اور کتنے سالوں سے چائے کا کھوکھا چلا رہا ہوں اچھی گزر بسر ہو جاتی ہے تو بھی اپنے ابے سے پیسے ویسے منگوا اور کوئی کاروبار شروع کر دے''۔ چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے وہ اسے مفت مشوروں سے نواز رہا تھا۔

''کل سے تیرا منہ لٹکا ہوا ہے یہاں دن دیہاڑے لاکھوں کی ڈکیتیاں ہو جاتی ہیں اور تو ایک موبائل کا غم سینے سے لگا کر بیٹھا ہے میرے چاند! ہر روز ہزاروں موبائل یوں چٹکی میں اڑتے ہیں''۔ اس نے چٹکی بجائی۔

''کیا ہے جب سے میں آیا ہوں تو چوریوں ڈکیتیوں کی تفصیل بتائے جا رہا ہے کوئی اور بات بھی کر''۔ اس نے کپ منہ سے لگا لیا۔

"اور کیا بات کروں ان باتوں میں جو مزہ ہے وہ کسی اور میں کہاں؟" وہ ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا۔
"ویسے تو اگر کاروبار نہیں کرنا چاہتا تو تجھے باس کے پاس لے جاؤں گا"۔
"مطلب......؟"
"مطلب بھی سمجھا دیں گے دھیرے دھیرے"۔ وہ معنی خیزی سے آنکھ دبا کر بولا ارشد پانچ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا تینوں بہنیں شادی شدہ تھیں اور مختلف شہروں میں رہتی تھیں بڑا بھائی سعودیہ میں ہوتا تھا اس کا ابا چند مہینے پہلے بیٹی جیٹی کے پل میں ڈوب کر مر گیا تھا اماں گشت کی انتہائی شوقین سارا دن سرکاری دوروں پر رہتی اور وہ دونوں پیچھے تنہا ہی ہوتے تھے دفعتاً ارشد کا موبائل بجا تو اس کا غم پھر سے تازہ ہو گیا۔
"رانا جی کالنگ"۔ اسکرین پر جگمگاتے نمبر کو اس کے سامنے لہرا کر اس نے سیل فون کانوں سے لگا لیا۔ رانا جی مسلسل اسے پانچواں فون کر رہے تھے وہ ان کی دوستی پر حیران ہی رہ گیا اتنی فراغت اور کھلا دل مگر جس انداز میں وہ کھلی ڈلی گفتگو کر رہا تھا اس نے اسے اچنبھے میں ڈال دیا تھا۔
"کس کا فون تھا؟" پچیس منٹ بعد اس نے فون بند کیا تو اسے یقین آ چکا تھا کہ فون کرنے والی کوئی لڑکی ہے۔
"ایک جل پری' تو بیٹھ میں نہا کر آتا ہوں"۔
"کہیں جانا ہے؟"
"اے احمق! تیرے سامنے ہی تو ڈیٹ طے ہوئی ہے تو بھی چلنا ملاؤں گا اپنی چکی سے"۔
"نہیں مجھے تو معاف ہی رکھ"۔
"ارے! کچھ نہیں ہوتا یہ انجوائے منٹ تو ہر بندہ کرتا ہے"۔ وہ تار سے تولیہ اتار کر باتھ روم میں گھس گیا جبکہ وہ اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہ گیا تھا۔
"کیا میں نے کراچی آ کر کوئی غلطی کی ہے؟" ارشد کے سیل کو دیکھتے ہوئے وہ محسن کا نمبر ڈائل کرنے لگا تھا تیسری بیل پر فون ریسیو کر لیا گیا۔
"کیسے ہو اور تیرا سیل نمبر بند مل رہا تھا خیر تو ہے ناں؟"
"وہ تو چوری ہو گیا یار۔"
"ہاں......آتے ہی لٹ گیا"
"اماں کیسی ہیں؟ ابا کچھ کہہ تو نہیں رہے تھے؟"
"ابھی تو دیکھ رہا ہوں کراچی کے حالات......"
"دیکھو! دل لگ گیا تو مہینہ بھی لگا لوں گا"۔
"اچھا میں پھر فون کروں گا خدا حافظ"۔
"رانا جی کالنگ"۔ سیل پھر سے بجنے لگا تھا اس نے نمبر کاٹ دیا اسے سعدیہ یاد آ گئی تھی جسے اس نے آخری مرتبہ عید پر ہی دیکھا تھا وہ اس کی بچپن کی منگیتر تھی اور اس سے بے حد شرماتی تھی سعدیہ کی یاد نے اس کی ساری بیزاریت رفع کر دی وہ آسمان پر دوڑتے پرندوں کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرانے لگا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

حویلی کی قدیم دیواروں پر چھائی دہشت ناک خاموشی اندھیرے کے بازوؤں میں سٹ چکی تھی بہت سی مرکزی لائٹس آن تھیں مگر اس کے باوجود خوف کی دبیز تہہ تنہائی کی بانہوں کے گھیرے میں سانس لے رہی تھی گھڑیال رات کے

دس بجنے کی اطلاع دے رہا تھا اسے حویلی میں آئے چار روز ہو چکے تھے وسیع کمرے کی چاروں ٹیوب لائٹس روشن تھیں تینوں پنکھے فل اسپیڈ میں چل رہے تھے اور وہ گھنٹوں یہ سر گرائے غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے ہوئے تھی حویلی پر اتنی خاموشی اور وحشت کا راج تھا کہ کوئی عام لڑکی ہوتی تو اب تک اس کا ہارٹ فیل ہو چکا ہوتا گو کہ دو ملازمین یہاں موجود تھے ایک حبشی شکل والا خانساماں اور دوسرا ڈرائیور اور چوکیدار مگر وہ چار دنوں سے تنہا کمرے میں مقید تھی۔ چار دنوں سے اس نے بمشکل تین مرتبہ کھانا کھایا تھا نیند اس کی آنکھوں سے اڑ چکی تھی بمشکل چند گھنٹوں تک زبردستی آنکھ جھپکی تھی اذلان شاہ ابھی تک اس کے سامنے نہیں آیا تھا کل انٹرکام پر ہی بات ہوئی تھی وہ اس کا مقصد تو نہ جان پائی تھی اس کے خیال میں وہ اس سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا اس لئے اسے اغواہ کر کے اس کے بابا کو پریشان کرنا چاہتا تھا۔

اس کے بابا کوئی عام آدمی نہیں تھے۔ بہت بااثر اور بارسوخ شخصیت کے حامل تھے اور اسے ابھی تک اسی بات پر حیرانگی تھی کہ وہ اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کو چار دنوں بعد بھی برآمد نہ کر پائے تھے تاوان کا معاملہ ہوتا تو وہ کب کی جا چکی ہوتی لیکن اذلان شاہ کو دولت سے نہیں اس کے بابا کی غیرت سے مطلب تھا اور وہ اس کی دھجیاں بکھیرنے کے لئے ہی اسے اغواہ کروا چکا تھا شہر میں ژالے آفندی کے اغواہ کا کیس کس قدر ہاٹ ایشو بن چکا ہوگا وہ اندازہ کر سکتی تھی پولیس اس کی تلاش میں سرگرداں ہوگی اس کے بابا کے کارندے ہر جگہ اسے ڈھونڈ رہے ہوں گے وہ یہاں بیٹھ کر بھی اندازہ کر سکتی تھی۔

"یہ حویلی تو کسی دور ویرانے میں ہے شاید بابا یہاں تک کیسے رسائی کر پائیں گے"۔ چار دنوں میں پہلی بار وہ مایوس ہوئی تھی۔

"کیا اذلان شاہ اس قدر بااثر ہے کہ بابا سے ٹکر لینے کی جرأت کر بیٹھا مانا کہ خود کو بہت توپ چیز سمجھتا ہے مگر بابا کے سامنے تو چڑیا پر نہیں مار سکتی۔ اذلان شاہ کیا چیز ہے۔ بہت برا حشر کروں گی میں تمہارا یہاں سے ایک بار نکل تو لوں موت سے بھی پناہ مانگو گے اتنی عبرتناک سزا دلواؤں گی اذلان شاہ کہ آئندہ ژالے آفندی کی طرف دیکھنا بھی بھول جاؤ گے بہت بڑی حماقت کی ہے تم نے' بہت بڑی بے وقوفی' ژالے آفندی کوئی عام لڑکی نہیں ہے اس کا اندازہ تمہیں بہت جلد ہو جائے گا"۔ نفرت سے در و دیوار کو تکتے ہوئے وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"مگر میں یہاں سے نکلوں گی کیسے؟ شاید اس زندان میں کوئی روزن ہو"۔ امید کا ایک اور دیا آنکھوں میں روشن ہوا تھا وہ بیڈ سے اٹھ کر دیواروں کا باریک بینی سے جائزہ لینے لگی کمرے کی دیواریں بہت اونچی تھیں ہر دیوار پر دو تین پینٹنگ لازماً لگی ہوئی تھیں۔ کمرے کے دائیں کونے میں رکھی اسٹڈی ٹیبل پر نگاہ ڈال کر اس نے کمرے کے وسط میں پڑے چھوٹے میز کو دیکھا۔

"آزمانے میں کیا حرج ہے"۔ ایک نتیجے پر پہنچ کر اس نے اسٹڈی ٹیبل پر دھری کتابوں کو اٹھا کر بیڈ پر رکھا اور بھاری بھرکم ٹیبل کو گھسیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔ دفعتاً اسے جیپ کی گڑگڑاہٹ سنائی دی اس کا دل بے ساختہ دھڑکا تھا اگلے لمحے وہ بیڈ پر سے کتابیں اٹھا کر دوبارہ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

"اگر اسے بھنک بھی پڑ گئی کہ میں یہاں سے نکلنے کی تدبیر کر رہی ہوں تو شاید مجھے کسی تہہ خانے میں ہی...... نہیں...... وہ شاید اسی طرف آ رہا ہے"۔ خود کلامی کے انداز میں وہ باہر سے آتی آوازوں پر غور کرنے لگی۔

"نہیں رہنے دو۔ فی الحال میں فریش ہونا چاہتا ہوں کھانے کے بعد چائے لے لوں گا"۔ وہ یقیناً اسی حبشی سے مخاطب تھا جس پر نگاہ ڈالتے ہی اس کے بدن میں سرسراہٹ ہونے لگتی تھی۔ معاً اس کے ذہن میں ایک اور منصوبہ آیا تھا سائیڈ ٹیبل پر رکھے پیتل کے گلدان کو جھپٹنے والے انداز میں اٹھا کر اس نے تینوں مین لائٹس آف کر دیں اب کمرے میں ایک لائٹ کی مدہم روشنی تھی لائٹ آف کر کے وہ خود دروازے کے پاس آ گئی وہ اس کمرے میں آئے گا یا نہیں یہ محض

اندازہ ہی تھا۔

کمرے کے باہر بھاری قدموں کی دھمک نے اس کے حواس جھنجھنا دیئے اس کے دونوں ہاتھ پوری قوت سے پیتل کے گلدان پر جمے تھے اذلان شاہ کمرے کا لاک کھول رہا تھا اس نے آنکھیں زور سے جھپکیں۔ دروازہ چوں کی آواز کے ساتھ کھلا تھا اور اس نے پوری طاقت صرف کر کے گلدان اس کے سر پر دے مارا تھا جو اس کی اونچی قامت کے باعث کندھے پر جا لگا۔

"اوف......" ایک درد بھری لہر اس کے بدن میں سرایت کر گئی اس نے باہر بھاگتی ژالے آفندی کے ہاتھ کو سرعت سے کھینچا تو وہ اس کے اوپر آ گری۔

"چٹاخ......" اسے بیڈ پر دھکیلتے ہوئے وہ شدید غضب اور تکلیف کے باعث اپنا ہاتھ چھوڑ چکا تھا اس کا آہنی ہاتھ اس کے نازک گلابی گال کو سرخ کر گیا۔

"ہاؤ ڈیئر یو......" وہ زخمی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی جو اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا وہ بلیک بیلٹ تھی اور اپنے مارشل آرٹس کے جوہر اس پر آزمانا چاہ رہی تھی جس کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"ہٹ ی......" وہ مسکرایا ژالے نے فلائنگ کک مارنی چاہی تھی مگر اس کے دونوں بازو اس کے آہنی شکنجے میں جکڑے جا چکے تھے۔

"چھوڑو مجھے......" وہ بازو چھڑانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

"ہمت ہے تو چھڑا لو خود کو"۔

"اوہ یو...... آئی ول کل یو"۔ اشتعال کے عالم میں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کہے۔

"میں ڈرتی نہیں ہوں تم سے سمجھے تم......"

"زیلی......" اذلان نے اسے راکنگ چیئر پر دھکیل دیا اور کرسی کی دونوں ہتھیلیوں پر بازو رکھ کر اس کی طرف جھکا

"ہونہہ" کہہ کر رخ موڑ گئی تھی۔

"جانتی ہو میں نے تمہیں کڈنیپ کیوں کیا ہے؟"

"نہیں...... مجھے اس بات سے غرض نہیں ہے"۔ اس نے اس کی تپش آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

"لیکن مجھے ہے"۔ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد اس نے یکلخت ہی کرسی سے ہاتھ ہٹائے تھے اور سامنے لگے فن پارے کو دیکھنے لگا۔

"مجھے صرف اس بات سے غرض ہے کہ تم مجھے آزاد کب کرو گے میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں"۔

"شاید کبھی نہیں میں کبھی تمہیں اس حویلی سے باہر نہیں بھیجنا چاہتا"۔ اس نے آہستگی سے کہا تھا مگر اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"واٹ...... کیا کہا تم نے؟ مجھے یہاں سے جانے نہیں دو گے کیوں آخر کیوں؟ مجھے مجرموں کی طرح کیوں قید کر رکھا ہے تم نے؟"

"مجرموں کو مجرموں کی طرح ہی رکھا جاتا ہے"۔ وہ چند لمحے پہلے والی کیفیت سے نکل آیا تھا۔

"کیا جرم کیا ہے میں نے......؟"

"بتا دوں گا جلد ہی"۔ وہ باہر کی طرف بڑھا۔

"تم اس طرح نہیں جا سکتے"۔ وہ تیر کی طرح اٹھ کر اس کے سامنے آئی تھی۔

"میں یہاں پاگلوں کی طرح چار دنوں سے اکیلی کمرے میں بند ہوں تمہارے جو بھی مطالبات ہیں مجھے بتاؤ میں

سے......"

"اتنا بے وقوف سمجھتی ہو تم مجھے......" وہ دھیرے سے ہنسا۔

"اگر مجھے تمہارے بابا کو یہ انفارم کرنا ہوتا کہ تم یہاں ہو میری قید میں تو یہ کام میں چار دن پہلے کر چکا ہوتا"۔ وہ اس ایک طرف کر کے تیزی سے باہر نکل گیا ساتھ ہی دروازہ بھی بند ہو چکا تھا۔

"اے...... تم اس طرح نہیں کر سکتے میرے ساتھ"۔ وہ پھر سے دروازہ پیٹنے لگی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆

"یہ ہاشانی صاحب ہیں میرے باس میں انہی کے پاس ملازمت کرتا ہوں"۔ ارشد نے ایک پختہ عمر کے مرد سے تعارف کرواتے ہوئے اس کے چہرے پر رقم حیرانگی کو واضح طور پر محسوس کیا تھا۔

"اور ہاشانی صاحب یہ میرا جگری یار ہشام! کراچی کی بتیاں دیکھنے آیا ہے"۔

"کیا حال ہے بابا!" موٹی موٹی انگلیوں والا منقش انگوٹھیوں سے سجا بھدا ہاتھ اس کی سمت بڑھاتے ہوئے اس نے لہجے میں گرم جوشی پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

"بہتر ہوں"۔ اس نے فوراً ہی ہاتھ چھڑا لیا ہاشانی صاحب نے اس کی خوب آؤ بھگت کی تھی مگر وہ جب تک اس حجرے میں بیٹھا بے چین و مضطرب ہی رہا تھا۔

"یہ تو کیسے لوگوں کے ساتھ کام کرتا ہے؟" گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے ارشد کو گھورا تھا۔

"یہ تو شکل سے ہی ڈاکو بدمعاش لگتے ہیں"۔

"کیوں پسند نہیں آئے میرے باس؟" وہ یونہی ہنس دیا۔

"رہی شکل کی بات تو پیارے شکل سے شریف لگنے والے سچ میں شریف ہوں یہ ضروری نہیں میں تو تجھے بھی انہی کے پاس جاب دلانا چاہ رہا ہوں انہیں ڈگری سے نہیں بندے سے غرض ہے"۔

"نہ بھئی...... میں نے اتنے خوفناک لوگوں کے پاس کام نہیں کرنا"۔

"یہ تو اسٹائل ہے باس کا کام دھندا تو عام سا ہی کرتے ہیں"۔

"کیا کام ہے پتہ تو چلے؟"

"اسمگلر ہیں"۔

"واٹ......؟" وہ صحیح معنوں میں چکرایا تھا۔

"کس چیز کے؟"

"تھری ان ون ہیں"۔ اس نے آنکھ دبائی۔

"اینی وے تو پریشان مت ہو یہ ان کی پارٹ ٹائم جاب ہے بزنس تو اسپیئر پارٹس اور وہیکل سپلائر کا ہے شوروم کے مالک بھی ہیں"۔

"تو کیا کرتا ہے؟ میرا مطلب ہے کون سا کام؟"

"شریفوں والا ہی کرتا ہوں شوروم میں ہوتا ہوں کبھی کبھار انہیں دیگر کاموں کے لئے بھی ضرورت پڑ جاتی ہے اب اس میں ایکسٹرا سیلری ملتی ہے سچ مزے ہی مزے ہیں اپنے تو"۔

"تو ہی مزے لے ان کی ایکسٹرا سیلری کے میں تو کوئی......"

"ایسا ہے تو پھر تجھے کئی سال جوتیاں ہی چٹخانا پڑیں گی یہاں اتنی آسانی سے نوکری نہیں ملتی وہ بھی میٹرک پاس کو یہ شارٹ کٹ ہے پیارے کم وقت میں دگنا فائدہ سمجھ مفت کی روٹیاں توڑتا ہوں میں"۔

"پھر بھی یار؟ غلط کام تو غلط ہی ہوتا ہے"۔ وہ بڑبڑایا تھا۔

"صحیح غلط کے چکر میں کیوں پڑتا ہے پیسہ اتنی آسانی سے ہاتھ نہیں آتا' تجھے نہ کوئی تجربہ ہے اور نہ کوئی ہنر ہے تیرے پاس اگر گاؤں کو ہی سدھارانا ہے تو تیری مرضی وہاں تو جتنی بھی ترقی کرے رہنا تو نے کنویں کا مینڈک ہی ہے"۔ وہ اس کی برین واشنگ کر رہا تھا۔

"میں واپس گاؤں نہیں جانا چاہتا۔ وہاں زندگی بہت محدود ہے"۔

"تو بات ختم میں بھی تیرے گاؤں سے ہی آیا ہوں' وہاں کچا کوٹھا ہوتا تھا ہمارا آج ڈبل اسٹوری گھر یونہی نہیں بن گیا میرے نام پر ہے پیسہ تیری مجبوری نہیں ہے پھر بھی اگر کراچی میں رہنا ہے پیسہ بھی کمانا ہوگا یہاں تو سیر سپاٹا بھی مفت نہیں ہوتا"۔

"میں کوئی فضول کام نہیں کروں گا"۔ وہ قائل ہو رہا تھا۔

"نہ کرنا پیارے"۔ ارشد نے قہقہہ لگایا حالانکہ ہنسنے والی بات کوئی نہیں تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆

کیپ ڈیش بورڈ پر ڈال کر اس نے فرنٹ سیٹ پر دھری فائل اٹھائی اور سامنے بنی خوشنما عمارت پر نظر ڈالتا نیچے اتر آیا پارکنگ لاٹ میں موجود لینڈ کروزر نے اسے قطعی حیران نہیں کیا تھا وہ کئی دنوں سے شاہ جی کی آمد کا منتظر تھا۔

تھرڈ فلور کا بٹن پش کر کے وہ لفٹ میں سوار مسلسل انہی کے متعلق سوچ رہا تھا کہ انہیں کیسے مطمئن کرے گا انہی سوچوں میں غلطاں وہ اپنے فلیٹ تک چلا آیا دروازہ سہیلہ نے کھولا تھا۔

"شاہ جی آئے ہوئے ہیں"۔ اس نے سرگوشی میں بتایا تو سر ہلاتا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ محسن شاہ کمرے کے وسط میں ٹہل رہے تھے۔

"اسلام علیکم شاہ جی!" اس کی گھمبیر آواز پر وہ چونک کر پلٹے۔

"وعلیکم اسلام"۔ اسے گلے سے لگا کر انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"تم جان ہی گئے ہو گے کہ میں یہاں کس مقصد سے آیا ہوں؟" فل یونیفارم میں وہ اس قدر ڈیسنٹ اور ہینڈسم لگ رہا تھا کہ وہ چند لمحے اس پر سے نظریں نہ ہٹا سکے۔

"جی شاہ جی"۔ وہ سعادت مندی سے صوفے پر ان کے مقابل ٹک گیا۔

"ژالے کا کچھ پتہ چلا؟"

"نہیں...... ابھی تک کو کچھ پتہ نہیں چلا"۔

"کیا کر رہی ہے تمہاری پولیس ایک ہفتہ ہو گیا اور ایک لڑکی تک کو برآمد نہیں کر سکی لڑکی بھی معمولی گھرانے کی نہیں"۔ ان کی آواز تیز ہوئی۔

"آفندی ہر جگہ تلاش کر چکا ہے اسے اور جانتے ہو وہ کیا کہہ رہا ہے"۔ وہ خاموش رہا۔

"اسے تم پر شک ہے وہ کہتا ہے کہ ژالے کو تم نے کڈنیپ کیا ہے"۔

"میں نے......" اس نے آنکھیں پھیلائیں پہلی بار پتہ چلا کہ ایکٹنگ کرنا کس قدر دشوار امر ہے۔

"ہاں...... تم نے اور سچ پوچھو تو مجھے بھی یہی لگتا ہے"۔

"شاہ جی! آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"دیکھو بچے! قد میں تم مجھ سے لمبے ہو گئے ہو مگر عمر اور تجربے میں نہیں مجھے تو اسی روز شک ہو گیا تھا جس دن تم نے......"

"مگر آپ یہ تو سوچیں کہ میں اسے کیوں اغواء کروں گا شاہ جی آپ ایک پولیس والے پر اغواء کا الزام لگا رہے ہیں یہ درست نہیں ہے"۔

"اپنی منکوحہ کو یوں حبس بے جا میں رکھنا بھی درست نہیں ہے مائی سن!"

"شاہ جی! آپ......" وہ اچھل پڑا۔

"ہم تو اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں بیٹا جی! شروع سے ہی مجھے تم پر شک بلکہ یقین تھا اتنے دن میں اس لئے خاموش رہا کہ شاید تم کوئی قدم اٹھاؤ۔ مگر تمہاری خاموشی نے مجھے پریشانی میں مبتلا کر دیا تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"وہ میری منکوحہ تو ہے شاہ جی! مگر ایک مجرم کی بیٹی بھی ہے جب تک میں مجرم کو سزا نہیں دلوا دیتا اسے سامنے نہیں لاؤں گا وہ میری بیوی ہے میری غیرت...... میں اسے میڈیا کے سامنے ایکسپوز نہیں کرنا چاہتا بس اسی لئے......"

"وہ تو تم سے سخت متنفر ہو گی؟" وہ اب قدرے مطمئن ہو گئے تھے۔

"ایسی ویسی...... وہ تو مجھے اپنا دشمن اول سمجھتی ہے"۔ اس کا سراپا ذہن میں لہراتے ہی اس کے لبوں پر مسکان بکھر گئی تھی۔

"ویسے ہے کیسی ہماری بہو؟"

"بہت اکھڑ...... بدتمیز اور......" وہ فائل ٹیبل پر رکھ کر اٹھا۔

"اور......" وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"اور بہت خوب صورت......" کہنے کے ساتھ ہی وہ باہر نکل آیا۔

"بیلا! چائے تو بناؤ میں چینج کر کے آتا ہوں"۔ کف کے بٹن کھولتے ہوئے اس نے ڈسٹنگ کرتی سمیلہ سے کہا اور اپنے کمرے میں چلا آیا اسٹڈی ٹیبل کے اوپر رکھی فریم شدہ تصویر پر نگاہ پڑتے ہی اس کے لب از سر نو مسکرا دیئے تھے۔

چند دن پہلے تک اس کی ٹیبل بالکل خالی تھی یہ تصویر چند روز قبل ہی اس نے یہاں رکھی تھی بے تحاشا مسکراتے لبوں کو دائیں ہاتھ سے چھپاتے ہوئے یہ تصویر کسی فنکشن میں اتاری گئی تھی وہ خوب صورت تو تھی ہی مگر تصویر میں خوب صورت ترین لگ رہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر تک ژالے آفندی کے ماہتاب چہرے سے نظریں ہٹا نہ سکا تھا اس کے ذہن میں اس سے پہلی ملاقات کا عکس لہرا گیا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

وہ پہلی بار اسے ڈالمن مال میں ملی تھی وہ اس وقت ہاؤس آف بونینزا میں ٹی شرٹ چوائس کر رہا تھا۔ معاً اس کی نگاہ ایک بے حد نفیس شرٹ پر پڑی۔

"ایکسکیوزمی مسٹر!" اس نے نیوی بلیو کلر کی وہ شرٹ اٹھائی تو عقب میں نسوانی آواز ابھری۔

"یہ شرٹ میں فائنل کر چکی ہوں"۔ اس نے اس کے ہاتھ سے شرٹ لینا چاہی۔

"مگر آپ سے پہلے میں فائنل کر چکا ہوں"۔ شاپ میں وہ بعد میں آئی تھی یہ اسے اچھی طرح معلوم تھا کیونکہ جس وقت وہ اندر آیا کوئی لیڈی نہیں تھی۔

"آپ پلیز کوئی اور شرٹ دیکھ لیں یہ میں لے چکی ہوں"۔

"میم! میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ یہ میں......"

"پلیز سر! یہ شرٹ مس آفندی کو دے دیں آپ کوئی اور چوائس کر لیں"۔ سیلز منیجر لپک کر آیا تو وہ استفامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"اگر یہ آپ کی پرمنٹ کلائنٹ ہیں تو میں"۔

"پلیز سر! آپ......"

"اوکے......" شرٹ وہیں چھوڑ کر وہ باہر آ گیا تھا خواتین سے بحث اسے پسند نہیں تھی مگر یہ لڑکی...... اسے خود پسند لوگ بے حد برے لگتے تھے۔

دوسری بار اس نے اسے آواری میں دیکھا تھا وہ وہاں ڈی ایس پی حسنین فاروقی کی بیٹی کے ولیمے میں شرکت کرنے آیا تھا بلیک سلیولیس شرٹ اور مسٹرڈ بیل باٹم میں اسے دیکھتے ہوئے اذلان شاہ کو احساس ہوا تھا کہ وہ اسے کہیں دیکھ چکا ہے۔

"ہاں......؟" اس کا علم اسے اس سے قدرے فاصلے پر کھڑے شخص کو دیکھ کر ہو گیا تھا کیونکہ اس نے وہی شرٹ پہن رکھی تھی جسے وہ پہلی نظر میں پسند کر چکا تھا وہ دونوں خوش گپیوں میں مصروف تھے اور اسے جانے کیوں بلیو شرٹ میں ملبوس اس نوجوان کو دیکھ کر جلن کا احساس ہوا تھا۔

"کم آن عادی! اس قسم کی ڈنر پارٹیز اور فنکشنز اٹینڈ کرنے چاہیئے ریپو بڑھتی ہے یار!" دفعتاً وہ کھکھلاتے ہوئے اس کے پاس سے گزری تھی بے ساختہ پلٹ کر دیکھنے کی غلطی نے اس کے ہاتھ میں تھاما سوفٹ ڈرنک کا گلاس چھلکا دیا تھا۔

"سوری......" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اٹس اوکے! خوب صورت لڑکیوں کو دیکھ کر آپ جیسے مرد اکثر اندھے ہو جاتے ہیں کیوں عادی ایم آئی رائٹ!"۔ اس کی شوخی اسے زہر لگی تھی۔

"ایکسکیوزمی میم!" وہ درشتگی سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سامنے سے آتے حماد اصغر کو دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

"او حماد!" عادل صاحب خوشگوار انداز میں اس کی طرف بڑھ گئے تھے۔

"میڈم! ایک بات کہوں؟" وہ باز نہیں رہ سکا۔

"جی ضرور......"

"آپ جیسی لڑکیوں کو دیکھ کر ان جیسے مرد تو اندھے ہو سکتے ہیں مجھ جیسے نہیں کیونکہ ہم عقل کے سہارے چلتے ہیں اور یہ حسن کے"۔ اس نے عادی کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا وہ مسکرا دی۔

"او...... آپ شاید مائنڈ کر گئے"۔

"آئندہ اس قسم کی جملہ بازی سے گریز کیجئے گا"۔ وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا جبکہ ژالے آفندی لب بھینچے اسے دیکھتی رہی تھی اسے اس کی بات پسند نہیں آئی تھی پھر پارٹی کے اینڈ تک وہ ژالے آفندی کی نگاہ کے زاویے میں رہا تھا وہ اس کے انداز نشست و برخاست ملاحظہ کر کے شاید اس کی اوقات جاننا چاہتی تھی غالباً وہ پہلا شخص تھا جو اس سے متاثر ہونے کی بجائے اسے متاثر کر گیا تھا اسے پہلی بار ہی کسی نے سراہنے کی بجائے "لتاڑا" تھا۔

"ایس پی اذلان شاہ......" حماد اصغر اسے عادل سے متعارف کروا رہا تھا اور اس نے یونہی سرسری نگاہ اس پر ڈالی تو وہ اس کا نام زیر لب دہرا رہی تھی۔

ازلان شاہ تیسری بار بھی وہ اسے حماد اصغر کی پروموشن کے سلسلے میں ارینج کی گئی ایک ٹی پارٹی میں ملی تھی وہ اس بار اسے نظر انداز کر گیا تھا اور اس نے بھی اس کی طرف دیکھا نہیں تھا اس بار بھی وہ عادل کے ساتھ چپکی ہوئی تھی اور یہ شخص جو بظاہر بہت خوش اخلاق اور بامروت نظر آتا تھا اندر سے اتنا ہی گرا ہوا اور کمینہ شخص تھا۔ ژالے آفندی اسے جانتی تھی یا نہیں مگر ازلان شاہ اسے اچھی طرح پہچان گیا تھا' کیونکہ دونوں یونیورسٹی فیلو رہ چکے تھے یونیورسٹی میں وہ اپنے فضول اور بے کار مشغلوں کی وجہ سے مقبول تھا تو ازلان شاہ اپنی ذہانت کی وجہ سے عادل بھی غالباً اسے پہچان چکا تھا۔ اس لئے اس کی سمت آنے سے اس نے حتی الامکان گریز کیا تھا۔

''بابا ایک ہوٹل کی اوپننگ کے لئے انوائیٹڈ تھے ورنہ ان کا ارادہ تو تھا آج حماد کی پروموشن پارٹی اٹینڈ کرنے کا''۔ وہ حماد اصغر کی بیوی سے محو گفتگو تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ

''اس کے بابا کیا کوئی وزیر مشیر ہیں یا ناظم وغیرہ''۔ حلیے سے تو وہ کسی امیر گھرانے کی بگڑی ہوئی رئیس زادی ہی لگتی تھی اور جب اس نے ویٹر سے شیمپین ریسیو کی تو اسے بہت ناگوار گزرا تھا اسے اس قسم کی لڑکیاں زہر لگتی تھیں گو کہ وہاں اور بھی لڑکیاں اور بیگمات تھیں مگر اسے ژالے آفندی کے ہاتھ میں تھاما نازک کرسٹل کا بلوریں جام اس قدر برا لگ رہا تھا کہ اس بار وہ جان بوجھ کر اس کے پاس سے بہت تیزی سے گزرا تھا آج وہ میرون ساڑھی میں ملبوس تھی ازلان شاہ کا شانہ اس کے برہنہ بازو سے ٹکرایا تھا اور آج گلاس چھلکا نہیں تھا نیچے گر کر چکنا چور ہو گیا تھا۔

''ہے مسٹر! آر یو بلائنڈ؟'' کئی لوگوں نے پلٹ کر اس غضب ناک حسینہ کے تیور ملاحظہ کیے۔

''سوری''۔ وہ دل میں خود کو کوس رہا تھا کہ خواہ مخواہ میں تماشہ کری ایٹ کروا دیا۔

''کم از کم آج تو مجھے یہ بات دہرانی نہیں پڑے گی کہ آپ جیسے مرد بھی ہم جیسی لڑکیوں کو دیکھ کر اندھے ہو جاتے ہیں''۔ دھیمے لہجے میں غراتے ہوئے اس کا موڈ بے حد خراب لگ رہا تھا۔

''ایکسٹریملی سوری پتہ نہیں کیسے......'' آج وہ گڑبڑا گیا تھا جذباتیت کے ہاتھوں اپنی ہی انسلٹ کروانی پڑ گئی تھی وہ اس کی بلا سے جو کچھ کرے اسے کیا تکلیف ہے۔

''اونہہ سوری......مائی فٹ......'' وہ پاؤں پٹختی اس کے سامنے سے چلی گئی تھی اور وہ اپنی جگہ نادم کھڑا رہ گیا تھا۔

''حد ہو گئی ازلان شاہ! ایک لڑکی کے ہاتھوں بے عزت ہو گئے''۔ خود کو کوستے ہوئے وہ اس شام بہت جلدی پارٹی ادھوری چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

''یہ مس آفندی...... بہت توپ چیز سمجھتی ہے خود کو''۔ اس نے سوچا تھا۔

''مگر میں کیوں اس ال مینرڈ لڑکی کو سوچ رہا ہوں''۔ اس نے اپنے خیالات جھٹک دیئے تھے۔ اگلے چند دن وہ بہت مصروف رہا تھا رحمٰن قادر کے کیس نے اسے حقیقتاً بہت ٹینس کر دیا تھا وہ مافیا گروپ کا اہم ترین کارندہ تھا مگر بہت مار کھانے کے بعد بھی زبان کھولنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے خلاف ثبوت و شواہد اکٹھے کرتے ہوئے وہ خود سے بھی لاپرواہ ہو گیا تھا آخر کار جب عدالت نے اسے دس سال قید بامشقت کی سزا سنائی تو اپنے اہم ترین فرض کی ادائیگی پر وہ بے طرح خوش تھا اس رات اس نے سبیلہ اور نادیہ بیگم کو پی سی میں ڈنر کروایا تھا۔

اور پھر کافی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس نے چوتھی بار اسے پی سی کے ہال میں عادل کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

''امی! دیکھیں کتنی خوب صورت لڑکی ہے مگر اس کا ہسبنڈ''۔ سبیلہ نے اشارے سے نادیہ بیگم سے کہا تو وہ رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔

''پہلوئے حور میں لنگور ہے نا......؟''

''ماشاء اللہ''۔ ان کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

''وہ اس کا ہسبنڈ نہیں ہے''۔ وہ یونہی کہہ گیا۔

''آپ جانتے ہیں انہیں پلیز بھائی! مجھے متعارف کروائیں نا کتنی بیوٹی فل لڑکی ہے' ہائے گاڈ میں نے پہلی بار اتنا مکمل حسن دیکھا ہے میری بھابھی بالکل ایسی ہونی چاہیے کیوں بھائی؟''

''نہیں...... بالکل نہیں''۔ اس نے قطعیت سے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیوں بھائی! اتنی پیاری تو ہیں''۔

''ختم ہو گئی تمہاری کافی' امی آپ اور لیں گی؟'' وہ اس کا سوال گول کر گیا۔

''امی! میں اس کا نام پتہ پوچھ کر آتی ہوں''۔ سبیلہ بچکانے پن سے بولی۔

''کس کا؟'' نادیہ بیگم اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

''امی پلیز سبیلہ ڈونٹ بی سلی' کیا اس سے پہلے خوب صورت لڑکیاں' کبھی نہیں دیکھیں کس قدر آکورڈ لگ رہی ہو''۔ وہ ناگواری سے ٹوک گیا۔

''دیکھی ہیں...... بہت زیادہ مگر اتنی خوب صورتی میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ رنگلی موم کا مجسمہ لگ رہی ہے اف...... ہنستے ہوئے ڈمپل بھی پڑتے ہیں''۔

''آپ لوگ پلیز گاڑی میں چل کر بیٹھیں میں بل پے کر کے آتا ہوں''۔ ناچار اسے اٹھنا ہی پڑا نادیہ بیگم تو فوراً اٹھ گئی تھیں سبیلہ کا منہ بن گیا۔

''کیا ہے بھائی! بہت بورنگ ہیں آپ۔ خوب صورت لڑکیوں کے اتے پتے تو لینے چاہیے نا''۔

''جاؤ لے آؤ اتا پتہ...... اگر بے عزتی کروانے کا اتنا ہی شوق ہو رہا ہے تو شوق سے جاؤ''۔ وہ ریسپشن کی طرف بڑھا تو سبیلہ مایوسی سے سر ہلاتی نادیہ بیگم کے پیچھے ہو لی۔

''اللہ میاں! اسے میری بھابھی بنا دے''۔ گلاس ڈور پار کرتے ہوئے اس نے معصومیت سے دعا مانگی تھی ازلان اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''تمہاری یہ دعا کبھی نہیں پوری ہو سکتی''۔

''کیوں؟ کیوں؟''

''کیونکہ میں اس کو بالکل پسند نہیں کرتا''۔

''اوہ بھائی! اس کا مطلب ہے آپ اسے جانتے ہیں''۔

''بالکل جانتا ہوں اتنا کہ اس کا نام تک نہیں پتہ مگر یار تم اس کو گھورنا بند کرو وہ ہمیں ہی دیکھ رہی ہے''۔ ازلان اس کا ہاتھ کھینچ کر لے گیا ایک لڑکی ہونے کے باوجود وہ اس سے حد درجہ امپریس ہو گئی تھی تو......

مگر گلاس ڈور کھولتے ہوئے وہ ایک بار پھر پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆

اگلے کئی دن اسے ژالے آفندی کی مدح سرائی سننی پڑی تھی۔ سبیلہ تو اس پر جی جان سے لٹو ہو گئی تھی۔ نادیہ بیگم کو بھی وہ اچھی ضرور لگی تھی مگر اتنی بھی نہیں کہ اسے بہو بنانے کے بارے میں سوچتیں درحقیقت انہیں ژالے آفندی کی سلیولیس شرٹ اور ٹائٹ جینز والا مغربی لباس پسند نہیں آیا تھا وہ سادہ اور گھریلو سی خاتون تھیں۔ سبیلہ کے خیال میں انہیں لڑکی کی

بے با کی ناگوار گزری تھی اس لئے انہوں نے بھابھی والے موضوع پر کوئی رائے نہیں دی تھی پھر بھی وہ ان کی رائے جا... پر مصر تھی۔

''امی! اسے دیکھ کر ہی لگ رہا تھا کہ وہ ہائی سوسائٹی سے بی لانگ کرتی ہے اور ہائی سوسائٹی میں تو اس قسم کی ڈریسنگ عام سی بات ہے''۔

''سبیلہ! تم ابھی بچی ہو۔ تمہیں ان معاملات کا علم نہیں' شادی بیاہ کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں' صرف لڑکی پسند کر لینے سے بات نہیں بن جاتی سو معاملات دیکھنے پڑتے ہیں اس کا خاندان' حسب نسب' طور طریقے سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے'' آخر انہوں نے ڈپٹ ہی دیا سبیلہ کی شکل دیکھنے والی تھی۔

''تم کسی بھی راہ چلتی لڑکی کو بھابھی بنالو گی خوبصورتی کی اہمیت اپنی جگہ صرف ایک نظر دیکھ لینے سے یہ نازک معاملات طے نہیں پاتے اور پھر اذلان اسے ناپسند کر چکا ہے تو تم بچکانہ ضد مت کرو''۔

''امی! آپ تو بس...... میری فرینڈز اور پورے گاؤں میں ہماری بھابھی جیسا کوئی نہیں ہوگا''۔

''بس تمہاری سوچ اتنی ہی ہے''۔ انہیں ہنسی آ گئی۔

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں بیلا! تم تو اتنی بے چین ہو رہی ہو جیسے وہ بھورے بالوں والی مغرور حسینہ مجھے نہ ملی تو میں کنوارہ رہ جاؤں گا''۔ اذلان بالوں کو تولیے سے رگڑتا وہیں چلا آیا۔

''اللہ نہ کرے بھائی! بس وہ لڑکی میرے ذہن پر سوار ہو کر رہ گئی ہے اگر آپ لوگ نہیں چاہتے تو نہ سہی''۔

''ایسی بات نہیں ہے گڑیا! تمہاری بھابھی اس لڑکی سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگی تم دیکھ لینا''۔ اذلان نے اس کے شانے پر بازو پھیلا کر کہا تو وہ مسکرا دی۔

''مگر مجھے نہیں لگتا کہ کوئی لڑکی اس سے زیادہ بھی خوب صورت ہو سکتی ہے''۔

''پھر وہی بات' تم نہیں سدھر سکتیں''۔ اب کی بار تینوں ہنس دیئے تھے۔

☆......☆......☆......☆......☆

اوائل مارچ کی نوخیز بہار جیسی شام اپنے سنہری پر چاروں اور پھیلا چکی تھی نیلے آسمان پر اکا دکا تیرتے سفید بادل ہواؤں کے سنگ آنکھ مچولی کھیلنے لگے تھے صبا کے ایک جھونکے نے کھلکھلاتے ہوئے اس کے منتشر بال مزید بکھیر دیئے تھے اس کے گلابی لبوں پر مسکان بکھرتی چلی گئی۔

''شاہ ہاؤس'' اس وقت مدہم سے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا لان پر طائرانہ نگاہ ڈال کر اس نے پردہ سرکا دیا اور سامنے لگی وال کلاک پر نگاہ دوڑا کر سیل فون سائیڈ ٹیبل پر ڈال دیا۔

شیری نے اسے زینب مارکیٹ میں پہنچنے کا کہا تھا وہ اپنی زیادہ تر شاپنگ اسی کے ساتھ کرتا تھا کیونکہ اذلان شاہ کی چوائس واقعی لاجواب ہوتی تھی اور آج تو اسے اسپیشلی اپنا ویڈنگ ڈریس چوائس کرنا تھا۔

وہ کچھ دیر قبل ہی سو کر اٹھا تھا شیری نے کال کی تو اسے اپنا عہد یاد آ گیا کل رات اس نے سات بجے تک کا وعدہ کیا تھا اس سے کاٹن کا کیمل براؤن سوٹ قدرے پر شکن ہو گیا تھا اس نے وائٹ کاٹن کا شلوار سوٹ چینج کیا اور والٹ اٹھا کر لاؤنج میں چلا آیا سبیلہ اور نادیہ بیگم کل سے گاؤں گئی ہوئی تھیں گھر پر اس وقت اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا مین ڈور لاک کر کے وہ پارکنگ لاٹ میں آیا تو اس کی مرگلہ غائب تھی۔

''اوہ...... گاڑی تو فیصل کے پاس ہے''۔ معاً اسے یاد آیا کہ گاڑی کل سے ورکشاپ میں ہے سرکاری جیپ وہ کبھی کبھار ہی استعمال کرتا تھا کچھ سوچ کر وہ پیدل نکل آیا۔

''ٹیکسی ہائر کر لیتا ہوں''۔ وہ شاہ زادہ تھا شاہ مزاج نہیں مگر اتفاق سے اسٹینڈ پر اس وقت کوئی ٹیکسی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

''لگتا ہے آج بس کی سیر ہو جائے گی''۔ کاٹن کے کلف لگے سفید کپڑوں کو کیچڑ سے بچاتا وہ بس اسٹینڈ کی طرف چل پڑا گذشتہ دنوں بارشوں کی وجہ سے شہر کی جو حالت ہوئی تھی وہ اب تک سدھری نہیں تھی بلدیہ والوں پر کف افسوس ملتے ہوئے وہ پر تاسف نظروں سے تالاب کا منظر پیش کرتی سڑکوں اور گلیوں کو دیکھ رہا تھا دفعتاً ایک لینڈ کروزر فل اسپیڈ میں اس کے سامنے سے گزری اور نتیجتاً اس کے سفید کپڑوں پر کیچڑ نے جو نقش و نگار بنائے تھے وہ قابل دید تھے۔

''اوہ شٹ......'' بے حد اشتعال کے عالم میں اس نے قدرے دور ہوتی لینڈ کروزر کے ڈرائیور کو کوسا تھا اور اسی پل وہ ریورس ہوئی۔

''سوری مسٹر!'' سیاہ شیشہ نیچے ہوا تھا اور اس میں سے جھانکتے گلاب چہرے نے صحیح معنوں میں اسے ٹھٹھکا دیا تھا۔ بلیک گاگلز سے بھی اس کی ہیزل گرین آنکھوں کا تمسخر اسے نہ نظر آتے ہوئے بھی محسوس ہو گیا تھا۔

''واٹ آ نان سینس''۔ وہ چنگھاڑا مگر وہ اس کے طیش کو خاطر میں لائے بغیر گاڑی بھگا کر لے گئی تھی ایک بار پھر گندے چھینٹوں نے اس کا سواگت کیا تھا۔ وہ اپنے گھر سے پندرہ منٹ دور آ چکا تھا۔ پندرہ منٹ کی پیدل واک میں ایس پی اذلان شاہ کو کتنی مضحکہ خیز اور استعجابیہ نظروں کا سامنا کرنا پڑا وہ یہ بھول چکا تھا یاد تھا تو اس شعلہ جوالہ کا گلابی چہرہ جس نے اپنی خود ساختہ انسلٹ کا بدلہ لینے کے لئے انتہائی گھٹیا طریقہ اختیار کیا تھا۔ صرف چند روز قبل ہی کی تو بات تھی وہ اس روز کانسٹیبل اشفاق احمد کی عیادت کے لئے آغا خان اسپتال کے شعبہ حادثات میں آیا تھا چند منٹ قبل اسے اس کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع ملی تھی اس کی بائیک کو کسی لینڈ کروزر نے ٹکر ماردی تھی' جسے خاتون ڈرائیو کر رہی تھی وہی خاتون اب اسے اسپتال ایڈمٹ کروا چکی تھی آغا خان کا نام سنتے ہی اسے کسی اپر کلاس کی میم کا خیال آیا تھا مگر ریسپشن پر موجود یلو سلیولیس ٹاپ اور بلیک جینز میں ملبوس اس اٹھارہ انیس سالہ دوشیزہ نے اسے ایک پل کے لئے حیران ضرور کیا تھا وہ وہاں ڈیوز کلیئر کروا رہی تھی۔

''مسٹر اشفاق احمد نام کے پیشنٹ ہیں ایکسیڈنٹ کیس ہے''۔ ریسپشنسٹ کے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ بے نیازی سے ببل گم چبا رہی تھی اذلان شاہ! اشفاق کا نام سن کر ہی اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

''کیا آپ وہی خاتون ہیں جن کی ریش ڈرائیونگ کی وجہ سے اشفاق کا ایکسڈنٹ ہوا؟''

''آپ کی تعریف؟'' اس کی صبیح پیشانی پر بل پڑ گئے وہ اس بار بھی قطعی اجنبی تھی۔

''مجھے ایس پی اذلان شاہ کہتے ہیں''۔ وہ اس وقت گھریلو حلیئے میں تھا اس لئے تعارف کروانا پڑا اب کی بار وہ کچھ کہے بناء آگے بڑھ گئی تھی۔

''ایکسکیوز می میم!'' وہ سرعت سے آگے بڑھا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں؟''

''میرا کام ختم ہو چکا ہے میرا مطلب ہے میں پیشنٹ کو ہاسپٹلائز کروا چکی ہوں بلکہ اس کے تمام ڈیوز بھی کلیئر کروا چکی ہوں پھر بھی اگر مزید اماؤنٹ کی ضرورت محسوس ہو تو میرا یہ کارڈ رکھ لیجئے''۔ والٹ سے سفید رنگ کا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھاتی وہ رئیس زادی اسے مشتعل کر گئی۔

''بات اماؤنٹ کی نہیں ہے میم! آپ اپنی امارت کا رعب خود تک محدود رکھیں تو بہتر ہوگا قانونی نقطہ نگاہ سے آپ ایک جرم کی مرتکب ہوئی ہیں جس کی سزا آپ کو بہر حال ملے گی یہ کارڈ رکھ لیجئے ''ضمانت'' کے کام آئے گا فی الحال

آپ......"

"ایگزیکٹیو زی مسٹر ایکس وائی زیڈ......" اس نے ہاتھ اٹھایا۔

"آپ ایس پی ہیں یا ڈی ایس پی آئی ڈیم کیئر آپ کو اس شہر میں چند لوگ جانتے ہوں گے اور میرے بابا کو پورا شہر میں ژالے آفندی ہوں ہشام آفندی کا نام تو سنا ہوگا آپ نے......"

"ہشام آفندی......" اس نے لب بھینچ کر اس کا نام دہرایا تھا۔ ہشام آفندی کو کون نہیں جانتا تھا ایک نامور تنظیم کا روح رواں اور بااثر حلقہ احباب رکھتا تھا' درپردہ وہ کیا تھا یہ ایس پی اذلان شاہ جیسے لوگ ہی جانتے تھے۔ وہ ہائی بجل کی ٹنک ٹنک بجاتی اس کے سامنے سے جا چکی تھی مگر اذلان شاہ نے عمر بھر کے لئے معذور ہو جانے والے اشفاق احمد کی درخواست پر اسے عدالت آنے پر مجبور کر دیا تھا بے شک وہ بڑے باپ کی بیٹی تھی مگر اذلان شاہ پولیس ڈپارٹمنٹ کے ان گنے چنے لوگوں میں سے ایک تھا جن کی نظر میں مجرم فقط مجرم ہوتا ہے ہشام آفندی کو اس کیس کی وجہ سے کتنی خفت اور ندامت کا سامنا کرنا پڑا تھا یہ الگ داستان تھی مگر وہ ژالے آفندی کو اپنی دانست سے سبق ضرور سکھا چکا تھا اور اسی سبق کا بدلہ لینے کی خاطر وہ اسے سرعام تماشہ بنا گئی تھی۔

"دیکھ لوں گا تمہیں بھی......" مین ڈور پوری قوت سے بند کرتے ہوئے وہ کھولتے دماغ پر قابو پانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

سبیلہ اس کی اکلوتی بہن خاصی باتونی اور ہلے گلے کی شوقین تھی گھر میں اسی کے دم سے رونق تھی یہ وہ نہیں سب ہی کہتے تھے نادیہ بیگم کم گو ضرور تھیں مگر پچھلے دو دنوں سے وہ دونوں اتنی خاموش اور گم صم نظر آ رہی تھیں کہ وہ محسوس کئے بنا رہ نہ سکا۔

"کیا بات ہے بیلا! تمہاری زبان کہاں گئی' ہے بھی یا وہیں گاؤں میں چھوڑ آئی ہو؟" اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے وہ شوخی سے کہہ رہا تھا مگر وہ مسکرائی تک نہیں۔

"بھائی! کتنا شوق تھا مجھے اکلوتی بھابھی لانے کا۔ آپ کے لئے بھابھی تلاش کرنے کا کتنے مہینوں سے میں کتنی ہی لڑکیاں چپکے چپکے پسند کر چکی ہوں آپ کے لئے کہ آپ کے......" وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے خفا لہجے میں بولی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"اور وہ ہوٹل والی......"

"تو اب کیا ہوا اس شوق کو باخدا میں نے تمہارے پیچھے سے کوئی لڑکی پسند نہیں کی"۔

"آپ کیا پسند کریں گے آپ کا تو نکاح ہو چکا ہے بچپن میں"

"واٹ......؟" چائے اس کے ہاتھوں پر چھلک گئی۔

"یہ مذاق ہے تو انتہائی فضول"۔

"اتنی سیریس بات میں آپ سے مذاق میں کہوں گی؟" اس کا اپنا موڈ آف تھا۔

"میرا نکاح ہو چکا ہے بچپن میں مگر کس سے تمہیں کس نے بتایا؟"

"شاہ جی نے اور کس نے امی کو بھی پتہ ہے دادو نے اپنی زندگی میں آپ کا نکاح اپنی پوتی سے کر دیا تھا اس وقت آپ اتنے سے تھے آٹھ سال کے"۔

"وہاٹ......؟ یہ تم اتنی فلمی اسٹوری کہاں سے سن کر آ گئی ہو امی کہاں ہیں؟" اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"امی نہار ہی ہیں وہ دل سے اس رشتے پر خوش نہیں تھیں مگر دادو کی وجہ سے انہوں نے آپ کا نکاح کر دیا"۔

"مگر شاہ جی کے کوئی اور بھائی بھی ہیں مجھے تو یقین نہیں آ رہا"۔

"چچا زاد بھائی ہیں اکلوتے اور لاڈلے بیٹے تھے اپنے ماں باپ کے میٹرک کے بعد گاؤں سے کراچی چلے گئے تھے وہاں غلط دوستوں کی صحبت نے انہیں غیر قانونی کاموں میں لگا دیا۔ دادو کو اپنے لاڈلے بیٹے کے بگڑ جانے کا بہت غم تھا اتنا کہ انہیں کینسر ہو گیا وہ زندگی میں ایک بار ہی دوبارہ گاؤں آئے تھے اس وقت ان کے ساتھ ان کی چار سالہ بیٹی بھی تھی دادو نے اپنی آخری خواہش کا کہہ کر شاہ جی اور انہیں اس نکاح کے لئے مجبور کر دیا حالانکہ شاہ جی بھی ایسا نہیں چاہتے تھے اس کے بعد وہ لوگ کبھی گاؤں نہیں آئے امی کے ذہن سے بھی یہ بات محو ہو چکی تھی مگر اس بار شاہ جی نے بتایا کہ اٹھارہ سالوں بعد ان کے بھائی کا ان کے لئے فون آیا تھا کہ اپنی امانت آ کر لے جاؤ وہ جیسے بھی ہیں ایک اچھے انسان بہرحال نہیں ہیں ان کی بیٹی بھی انہی جیسی ہو گی"۔ سبیلہ کی داستان امیر حمزہ سنتے ہوئے وہ گہری سوچ میں گم ہو چکا تھا۔

"اب آپ کیا کریں گے بھائی؟"

"پتہ نہیں......" خالی کپ ٹیبل پر رکھ کر وہ اپنے کمرے میں چلا آیا بہت عجیب فیلنگز ہو رہی تھیں دل کی۔ اٹھارہ سالوں سے کوئی شخص آپ سے منسوب ہو آپ کو خبر بھی نہ ہو کتنا عجیب لگتا ہے۔ ہمسفر کی خواہش ہر انسان کے من میں پنپتی ہے اس کے ذہن میں بھی شریک سفر کے طور پر ایک حسین پیکر صدیوں سے بس رہا تھا' ایک کم گو نازک اور شرمیلی سی مشرقی بیوی۔ وہ کتنی ہی دیر تک اپنے ذہن میں اپنی ہمسفر کا خیالی پیکر تراشتا رہا تھا اسے یہ سن کر شاک نہیں لگا تھا کہ اس کا نکاح نا سمجھی میں کر دیا گیا تھا بلکہ اچانک ملنے والی خبر نے چونکایا تھا۔

وہ ہمیشہ سے بہت آرٹسٹک مائنڈ شخص رہا تھا مگر اب یہاں اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کی بیوی کیسی ہو گی؟ "ایک مجرم کی بیٹی کیسی ہو سکتی ہے بھلا؟ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

"شاہ جی! آپ نے بالکل بھی اچھا نہیں کیا میرے ساتھ میری منکوحہ کوئی عام سی لڑکی ہوتی تو میں آسانی سے قبول بھی کر لیتا کیونکہ میری کسی سے کمٹ منٹ نہیں ہے اور شادی تو مجھے کرنی ہی تھی"۔ شاہ جی دو روز بعد اس کی رائے جاننے آئے تھے اور دو دنوں تک وہ ہزاروں رائے بدل چکا تھا۔

کبھی سوچتا کہ ہو سکتا ہے وہ بہت اچھی ہو۔ اپنے باپ کے کرتوتوں سے لاعلم ہو۔ اس بات سے بے خبر ہو کہ اس کا باپ ایک کرپٹ اور برا انسان ہے۔ کبھی خیال آتا کہ اپنے باپ جیسی ہی نہ ہو۔ نڈر بے باک اور سفاک۔

"چاچی میرے لئے میری ماں سے بڑھ کر تھیں بیٹا! درحقیقت تو وہ مجھ سے میری زندگی طلب کرتیں تو میں انکار نہ کرتا' ان کے بہت احسان ہیں میری ذات پر اور شامی تو میری جند جان تھا بہت پیارا تھا وہ شخص مجھے' غلط دوستوں نے اسے خراب کر دیا وہ خود ایسا نہیں تھا"۔ شاہ جی کو بیتے وقت کی یاد نے آزردہ کر دیا تھا۔

چند ہی مہینے ہوئے تھے ہشام کو کراچی گئے اور ان کے جاننے والوں نے اطلاع دی تھی کہ ہشام وہاں تخریب کاری کے جرم میں پولیس کسٹڈی میں ہے آغا جی فوراً کراچی چلے گئے تھے نسیمہ کا رو رو کر برا حال تھا پریشان تو وہ بھی بہت تھا مگر اس وقت چاچی کو حوصلہ دینے کے لئے اس کو خود پر ضبط کرنا پڑ رہا تھا وہ شرپسند عناصر کے ہتھے لگ گیا تھا بم دھماکے کرانے کے جرم میں اسے چھ سال کی قید ہو گئی تھی آغا جی اس سے مل کر بے حد مایوس ہوئے تھے کیونکہ وہ یکسر بدل چکا تھا وہ ہاشانی کا نمک حلال بن چکا تھا اس لئے اس نے اپنے باپ کو واپس بھیج دیا ارشد کے ساتھ مل کر وہ اپنی تنظیم کا اہم ترین کارکن بن چکا تھا گو کہ چھ مہینے گزرنے کے بعد وہ جیل سے رہا بھی ہو گیا تھا مگر پہلے والا ہشام تو اس کے اندر ہی مر گیا تھا غیر قانونی

کام اور ہیروئن اسمگلنگ کے جرم میں وہ بارہا ضمانت پر رہا ہوا تھا پھر سب نے اس سے رابطہ ختم کرلیا' آغا جی کے لئے وہ مرچکا تھا نسیمہ نے اپنی تمام تر محبتیں محسن کے لئے وقف کردی تھیں وہی تھا جس نے مشکل وقت میں ان دونوں کو سنبھالا بھی دیا اور حوصلہ بھی......

سعدیہ جو ہشام کی منگیتر تھی اس نے مجبوراً ظفر کے ساتھ نکاح کیا تو اس کا پورا آنگن آنسوؤں سے بھر گیا تھا نادیہ اسی کی بہن تھی جسے نسیمہ نے بعد میں محسن شاہ کی دلہن بنادیا نسیمہ اس وقت اپنی بیماری سے لڑ جھگڑ رہی تھیں جب ان کے بے حد اصرار پر وہ زندگی میں آخری بار گاؤں آیا تھا وہ ہاشانی کی بیٹی کے ساتھ شادی کرچکا تھا جس سے اس کی ایک انتہائی خوب صورت بیٹی تھی ڈلیوری کے موقع پر اس کی بیوی اسے داغ مفارقت دے گئی تھی اور حقیقتاً تو اسے بیوی کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی ہاں اپنی بیٹی سے وہ ٹوٹ کر محبت کرتا تھا یہ انہیں چند دنوں میں ہی پتہ چل چکا تھا اور جب نسیمہ نے اپنی آخری خواہش کا اظہار کیا تو وہ کتنی ہی دیر تک اذلان کو سامنے بٹھا کر اپنی بیٹی کا اس سے موازنہ کرتا رہا تھا۔

"اے ماسٹر! میری بیٹی بہت نازک مزاج ہے تو اس کا اچھی طرح خیال رکھے گا نا"۔ اپنی بیٹی کی بلائیں لیتے ہوئے وہ آٹھ سالہ بھتیجے سے پوچھ رہا تھا جو زور زور سے اثبات میں سر ہلا رہا تھا اسے یہ نازک گڑیا بہت پسند آئی تھی۔

"جی انکل! کیا آپ اس گڑیا کو میرے پاس چھوڑ کر جارہے ہیں؟"

"چھوڑ جاؤں......" اس لمحے اس کے چہرے پر اس قدر شفقت تھی کہ محسن شاہ اس کا ہر جرم بھول گیا۔

"ہاں انکل! میں اس کا بہت خیال رکھوں گا اسے اچھی والی چاکلیٹ بھی کھلاؤں گا کیوں گڑیا...... تم میرے پاس رہو گی نا"۔ اس نے جھک کر بہت اشتیاق سے منہ بسورتی گڑیا سے پوچھا تھا۔

"نہیں تم گندے ہو"۔ اس نے نخوت سے اسے پیچھے دھکیلا۔

"بابا! چلیں نا یہاں سے"۔

"لو بھئی میری بیٹی کو تو تم پسند نہیں آئے"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"کوئی بات نہیں انکل! ویسے ابھی اس نے میری ٹرافیز نہیں دیکھیں نا مجھے روز گڈ اسٹار ملتے ہیں کاپی میں لاسٹ ٹائم میں ریس میں بھی فرسٹ آیا تھا آؤ میں تمہیں اپنی ٹرافیز دکھاؤں"۔ اس نے اس کا ننھا سا ہاتھ تھاما۔

"نہیں جی...... مجھے نہیں دیکھنی"۔ اس نے ہاتھ چھڑا لیا اور پھر گڑیا کی ناپسندیدگی کے باوجود ان دونوں کا نکاح ہوگیا تھا۔

"میں مانتا ہوں میں نے اماں اور آغا جی کو بہت دکھ دیئے ہیں زندگی میں لیکن میں اپنی بیٹی کو کبھی دکھی نہیں دیکھ سکتا راجہ! تجھ پر تو مجھے یقین ہے کہ تو کبھی میری بیٹی کو دکھی نہیں ہونے دے گا مگر تیرا بیٹا! مجھے نہیں علم کہ بڑا ہو کر اس کی کیا رائے ہوگی اور خود میری بیٹی کیا چاہے گی مگر میں اماں سے کئے عہد کو آخر دم تک نبھانا چاہتا ہوں تو بہت اچھا ہے راجہ تو نے میری کمی پوری کردی تو نے اماں اور آغا جی کو میری کمی محسوس نہیں ہونے دی' لیکن تجھے مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ تو ہمیشہ میری بیٹی کو سکھی رکھے گا جو کام میں کرتا ہوں اس میں زندگی اور موت کا اعتبار نہیں ہوتا اس لئے میں آج سے ہی اپنی بیٹی کو تیری امانت سمجھوں گا اور جب بھی مجھے یہ لگے کہ اب میں تیری امانت سنبھالنے کے قابل نہیں رہا اسی روز تجھے آواز دے لوں گا"۔ رخصت ہونے سے قبل وہ نم آنکھوں سے کہہ رہا تھا اور محسن شاہ نے اسی وقت اس سے عہد باندھ لیا تھا اٹھارہ سال گزر گئے تھے اس بات کو۔ اٹھارہ سال بعد اس نے صدا دی تھی بیک وقت کئی بیماریاں اس پر حملہ آور تھیں وہ شوگر' بلڈ پریشر کا مریض تو تھا ہی اب ہیپا ٹائٹس سی بھی ہوگیا تھا بقول اس کے۔

"اپنے گناہوں کے بوجھ کی وجہ سے میرا بدن چھلنی ہوگیا ہے راجہ! پولیس مجھے اریسٹ کرنے کے لئے بے چین ہے

میرے ساتھ ہاشمی صاحب کا ساتھ نہ ہوتا تو میں اب تک ارشد کی طرح کسی کی گولی کا نشانہ بن چکا ہوتا۔ ارشد کا بیٹا عادل میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ ہمارے ہی نقش قدم پر چل رہا ہے ہماری ہی طرح وطن اور قوم کا دشمن ہے مگر میں اپنی بیٹی کا مستقبل تاریک نہیں کرنا چاہتا اور اتنا تو مجھے یقین ہے کہ تیرا بیٹا بہت پڑھا لکھا افسر ہوگا ویسے کیا کرتا ہے وہ......؟" اور جانے کیوں وہ اسے بتا نہ سکا کہ وہ ایک پولیس آفیسر ہے۔

"ہاں...... بہت بڑا افسر ہے میرا بیٹا۔ تو فکر نہ کر میں بہت جلد بارات لے کر تیرے گھر آؤں گا"۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے راجہ"۔ وہ تھکے لہجے میں بولا۔

"کیوں...... آخر کیوں ضرورت نہیں ہے اس کی؟"

"عادل اپنے باپ کی طرح بہت ضدی اور جذباتی ہے وہ کئی بار مجھ سے ژالے کے لئے کہہ چکا ہے"۔

"ژالے...... ژالے نام ہے تیری بیٹی کا"۔

"ہاں ژالے...... اس کی ماں کو یہی نام پسند تھا خیر تو میری بات سن میں بہت خاموشی سے اپنی بیٹی کو وداع کرنا چاہتا ہوں۔ میری بہت دشمنیاں چل رہی ہیں یہاں۔ بہت سے لوگ میرے ساتھ میری بیٹی کے بھی دشمن ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کی رخصتی بہت خاموشی سے ہو۔ ژالے کو میں نے ابھی کچھ نہیں بتایا وہ الٹے دماغ کی ہے شور مچادے گی"۔

"تو پھر رخصتی کیسے ہوگی؟" وہ حیران ہی تو رہ گیا۔

"اس کا حل میں تجھے بتاتا ہوں"۔ حل تو اسے بھی قابل قبول لگا تھا مگر وہ پہلے اذلان کو منوا کرنا چاہتا تھا اس سلسلے میں اور اسی لئے آج شہر آیا تھا۔

"وہ شاہی کی بیٹی تو ہے مگر مجھے یقین ہے کہ وہ اس سے بے حد مختلف ہوگی"۔

"شامی نام ہے ان کا؟"

"ہشام......"

"ہش...... شام......" وہ ٹھٹھکا۔

"ہشام حسن آفندی"۔

"واٹ......؟" آسمان ایک بار اس کے سر پر آ گرا تھا۔

"ہشام حسن آفندی...... وہ شخص جس کے خلاف ثبوت تلاش کرتے ہوئے میں نے دن رات ایک کئے ہیں اور اس کی بیٹی...... شاہ جی اس کی بیٹی...... امپاسبل شاہ جی میں اس لڑکی سے شادی ہرگز نہیں کرسکتا"۔

"کیا تم مل چکے ہو اس سے؟" انہوں نے پوچھا تھا اور وہ مختصراً تفصیلات بتا گیا۔

"وہ ایک بے حد ضدی' بدمزاج اور مغرور لڑکی ہے بہت گھمنڈ ہے اسے اپنی ذات اپنی شناخت پر...... ہونہہ...... مائی فٹ......"

"مگر بیٹا"۔ وہ پریشانی میں گھبرا گئے اس کا ردعمل دیکھ کر۔

"اگر مگر کچھ نہیں شاہ جی وہ لڑکی کسی طور پر بھی میری لائف پارٹنر بننے کے لائق نہیں ہے"۔ وہ قطعی لہجے میں بولا تھا شاہ جی خاموشی سے اپنے بیٹے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

☆......☆......☆......☆......☆

"صنم نائٹ کلب" کے متعلق شکایات تو اسے متعدد روز سے موصول ہورہی تھیں اور آج اوپر سے پولیس ریڈ کا

آرڈر موصول ہوتے ہی اس نے ہائی الرٹ کردی تھی۔ کلب کا اندرونی ماحول عام کلبز جیسا ہی تھا پولیس ریڈ کا شور مچتے ہی بیسیوں منچلے میوزیشن' بار نیجر ادھر ادھر روپوش ہو گئے تھے بہت سوں کو پولیس نے اریسٹ بھی کرلیا تھا جس میں ژالے آفندی بھی شامل تھی۔ اس کا ژالے آفندی سے کیا رشتہ تھا؟ اس بات نے اسے بے حد ندامت اور اذیت سے دوچار کیا تھا۔

''ایس پی اذلان شاہ کی منکوحہ نائٹ کلب میں ڈرنک کرتے ہوئے اریسٹ کرلی گئیں یہ سرخی اگر اخبار کی زینت بن جاتی تو......؟'' گو کہ کسی کو بھی ان کے رشتے کی بابت معلوم نہیں تھا مگر وہ خود تو جانتا تھا وہ خود تو اس خبر کو اسی انداز میں پڑھتا وہ صرف ہشام آفندی کی بیٹی نہیں اس کی بیوی بھی تھی صرف اپنی عزت پر حرف آنے کے ڈر سے اس نے ژالے آفندی کو اپنی جیپ کی طرف دھکیل دیا تھا وہ نشے میں دھت تھی اسے تو یہ خبر بھی نہیں تھی کہ وہ کہاں جارہی ہے اور کس کے ساتھ ہے؟ جب تک وہ قانونی کارروائیوں سے فارغ ہوا وہ اس کی جیپ میں ہی سوتی رہی تھی ڈیوٹی آف ہونے کے بعد وہ گاڑی کی طرف آیا تو وہ فرنٹ سیٹ پر ڈھلکی ہوئی تھی اسٹریٹ پول کی روشنی میں اس کا کانچ سراپا اسے بدحواس کر گیا تھا اور وہ جو کل تک اس سے سخت متنفر تھا ایک کمزور لمحے کی گرفت میں آکر اپنا فیصلہ بدل چکا تھا اس کے ذہن میں اس وقت صرف یہی بات تھی کہ وہ اس کی بیوی ہے شرعی اور قانونی منکوحہ۔

☆......☆......☆......☆......☆

اس روز وہ اسے اپنی آبائی حویلی لے آیا تھا یہ حویلی اس کے دادا کی ملکیت تھی وہ لوگ کبھی کبھار ہی یہاں آتے تھے پہلے شاہ جی کی رہائش یہیں تھی مگر بعد میں وہ اپنی زمینوں پر بنے ڈیرے میں ہی شفٹ ہو گئے تھے نادیہ بیگم بچوں کی اعلیٰ تعلیم کی غرض سے شہر اپنے بھائی کے گھر آگئی تھیں بعد ازاں انہوں نے اپنا فلیٹ لے لیا تھا شاہ جی کو شہر کے لوگ اور مصنوعی دنیا پسند نہیں تھی اس لئے وہ بہت کم یہاں آتے تھے۔

صرف چند دن پہلے وہ کسی ضروری کام سے حویلی آیا تھا یہاں چند دن قیام بھی کیا تھا اس لئے اس کے ذہن میں اس وقت سب سے محفوظ پناہ گاہ حویلی ہی تھی۔ حویلی کے اطراف میں آبادی قدرے دور تھی وہ اس رات وہیں رکا تھا اور دوسرے روز دو ملازموں کو وہاں چھوڑ دیا تھا فاروق احمد' اشفاق احمد کا بھائی اور قابل اعتماد شخص تھا اس لئے اس نے اسے یہاں چھوڑ دیا تھا وہ اس کے بارے میں جو بھی سوچتی ہے یا جس قسم کے خیالات رکھتی ہے اس سے قطع نظر وہ اپنے سوچنے کا انداز بدل چکا تھا ان چند دنوں میں وہ اتنا تو جان ہی گیا تھا کہ ژالے آفندی اس کے لئے اس قدر اہم ہو چکی ہے کہ اس سے جدائی کا عمل دل جلا کو ناگوار گزرے گا وہ اسے حویلی میں لے آیا تھا کسی کے علم میں لائے بغیر۔ وہ ان دنوں ہشام حسن آفندی کے خلاف ثبوت وشواہد جمع کرنے میں مصروف تھا اس لئے حویلی آنے کا موقع بھی کم ہی ملتا تھا تیسرے دن اسے ہشام آفندی نے کال کی تھی وہ اس سے فوری ملنا چاہتا تھا وہ جانا تو نہیں چاہتا تھا مگر کسی مستند ثبوت کے پیش نظر اس کے گھر میں چلا آیا تھا۔ تاہم یہ اس کی بدنصیبی تھی یا ہشام حسن کی اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی اس کا بی پی شوٹ کر گیا تھا اور اسے فوری ہاسپٹلائز کرنا پڑا اس کے کارندے اور ملازم بھاگ دوڑ میں مصروف تھے اور وہ خاموشی سے گھر کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ ژالے آفندی کے بیڈ روم میں داخل ہونے سے قبل اسے معلوم نہیں تھا کہ یہ ژالے کا بیڈ روم ہے مگر سامنے جہازی سائز بیڈ کے عین اوپر لگے پورٹریٹ نے اسے بتا دیا کہ یہ کس کا بیڈ روم ہے کمرے میں بیشتر جگہ اس کی تصاویر لگی تھیں مگر اس کی نگاہ۔ بیک پر رکھے چھوٹے فریم پر جا رکی تھیں اپنی زندگی میں پہلا جرم کرتے ہوئے اس نے وہ تصویر فریم سے نکال کر اپنے والٹ میں رکھی اور اتنی خاموشی سے ہی وہاں سے چلا آیا جتنی خاموشی سے گیا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

آج وہ اپنی ذاتی مرگلہ میں حویلی آیا تھا اسے کچھ دیر قبل فاروق نے کال کی تھی کہ اسے ایمرجنسی میں اپنے گھر جانا پڑ رہا ہے اس لئے وہ یہاں آجائے چوکیدار گیٹ پر اونگھ رہا تھا اس نے ہارن دیا تو ہڑبڑا کر اٹھا اور پھر بھاگ کر گیٹ کھولتے ہوئے اس کی نیند اڑ چکی تھی۔

''یہ تم ڈیوٹی کر رہے ہو؟'' اس نے نادم کھڑے خان سے درشتگی سے پوچھا تو اس کا سر مزید جھک گیا۔

''اگر نیند آرہی ہے تو اندر جا کر سو جاؤ آج میں یہیں ہوں''۔ کیپ اتار کر ڈیش بورڈ سے فائل اٹھاتے ہوئے اس نے اس کی سرخ آنکھوں کو دیکھ کر کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر اپنے کوارٹر میں چلا گیا۔

حویلی میں معمول کی خاموشی تھی محض اس کے بھاری بوٹوں کی دھمک سنائی دے رہی تھی کمرے کا لاک کھولتے ہوئے اسے خیال آیا کہ آج پھر وہ اچانک حملہ نہ کر دے اس لئے قدرے دیر بعد اندر داخل ہوا تھا کمرے کی لائٹس اور پنکھے فل اسپیڈ میں چل رہے تھے اور وہ بیڈ پر بے فکرے انداز میں محو استراحت تھی نم بال اس کے چہرے پر بکھرے تھے اور ایک ہاتھ آنکھوں پر دھرا تھا ایک گہری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اس نے الماری کے پٹ کھول کر ایک شلوار سوٹ باہر نکالا' نظر دوبارہ بھٹکی تھی اور رستہ بھول گئی اس کے چہرے سے بال ہٹاتے ہوئے اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھری تھی۔

مگر بے لگام ہوتے جذبوں کو قابو کرتے وہ واش روم میں گھس گیا تھا پھر شاور لے کر نکلا تو وہ ابھی بھی سابقہ پوزیشن میں لیٹی ہوئی تھی۔

''واقعی ہشام حسن کی بیٹی کو اتنا ہی نڈر اور بے خوف ہونا چاہیے کمال ہے قید تنہائی میں بھی اتنی پرسکون نیند......'' گیلے ہاتھ اس کے چہرے پر جھٹک کر وہ پلٹنا چاہتا تھا اور اسی پل اس کی آنکھ کھل گئی۔

''تم......'' وہ تیر کی طرح اٹھی تھی مگر اسے محویت سے اپنی طرف تکتا پا کر ٹھٹک گئی۔

''کیا چاہتے ہو تم......؟'' وہ رخ بدل گئی۔

''بتا دوں......؟'' اس کا موڈ خاصا خوشگوار تھا۔

''دیکھو! میں تنگ آگئی ہوں یہاں پڑے پڑے تم نے کسی مقصد کی خاطر ہی مجھے کڈنیپ کیا ہوگا پلیز مجھے بتاؤ میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں''۔ اس کا لہجہ ملتجی ہو گیا تھا۔

''کہاں......؟'' خاصا احمقانہ سوال تھا۔

''کہاں......اپنے گھر اور کہاں؟'' وہ اسے گھورنے لگی۔

''اگر میں تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہوں تو جاؤ گی؟''

''واٹ......؟'' تمہارے گھر میں تمہارے گھر کیوں جاؤں گی دماغ ٹھیک ہے تمہارا''۔

''تو ٹھیک ہے پھر یہیں رہو......''۔ وہ تولیے سے بال رگڑنے لگا۔

''اذلان شاہ تم پاگل ہو گئے ہو۔ پلیز! مجھے جانے دو ورنہ میں بھی پاگل ہو جاؤں گی''۔

''اچھا یہ تصویر دیکھو''۔ اس نے فریم شدہ تصویر اس کی طرف بڑھائی۔

''پہچانتی ہو ان چہروں کو؟''

''نہیں مگر ایک ایسی تصویر میں نے بابا کی اسٹڈی میں بھی دیکھی ہے کیا یہ وہی تصویر ہے؟'' وہ اب تصویر کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

''یہ تم ہو......'' اس نے ایک چھوٹی سی گپلو سی بچی کی تصویر پر ہاتھ رکھا۔

''اور یہ میں......'' اس کے ساتھ کھڑا آٹھ سال کا وہ بردبار سا بچہ اذلان شاہ تھا۔

''میں...... میں یہاں کہاں سے آ گئی ہاں یہ تصویر میری بچپن کی تصویروں جیسی تو ہے مگر تم میرے ساتھ...... یہ کوئی اور ہوگا''۔ وہ اپنی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ تمہارے بابا ہیں...... ہیں یا نہیں؟''

''ہاں...... یہ بابا ہیں''۔

''یہ ہماری دادو یعنی ہماری گرینڈ مدر۔ یہ میرے بابا محسن شاہ یہ میری مدر ہیں اور یہ بچی میری لعل سسٹر سبیلہ''۔

''ہماری گرینڈ مدر......'' وہ استعجابیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں......'' اس نے تصویر پر رکھا نازک انگلیوں والا مخروطی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''پانچ دن پہلے تم اپنے بابا سے خفا ہو کر نائٹ کلب میں آئی تھیں' کیونکہ انہوں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ بچپن میں تمہارا نکاح اپنے کزن کے بیٹے کے ساتھ کر چکے ہیں اس بات پر تم ان سے ناراض تھیں کہ انہوں نے گاؤں میں رہنے والے جاہل اور اجڈ خاندان میں تمہارا رشتہ طے کر دیا''۔

''ہاں مگر تمہیں یہ سب......'' وہ الجھ گئی تھی۔

''تم نے کہا تھا کہ تم اس رشتے کو نہیں مانتیں ایک گاؤں میں رہنے والا پینڈو شوہر تمہیں ہرگز قبول نہیں ہے یہی کہا تھا تم نے؟''

''ہاں لیکن تم مجھے پزل کر رہے ہو''۔

''تو مائی ڈیئر وائف! میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ گاؤں میں رہنے والا وہ پینڈو سا شوہر میں ہوں یعنی تمہارا کزن پلس ہسبینڈ اذلان شاہ آفندی''۔ اس کی سنہری جھیل جیسی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ شوخی سے بولا تھا جبکہ اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

''واٹ...... تم اور میرے شوہر مائی فٹ......'' پیر پٹخ کر وہ اس کے سامنے سے اٹھ گئی تھی جبکہ وہ لو دیتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

''جا کہاں رہی ہو چابی تو میرے پاس ہے''۔ اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے چابی لہرائی۔

''تم......'' وہ پلٹی

''تمہیں یہ جان کر برا لگا کہ......''

''برا! بہت برا لگا تمہیں میں بالکل پسند نہیں کرتی''۔

''کوئی بات نہیں میں تو تمہیں پسند کرتا ہوں''۔

''تم نے اگر مجھے آزاد نہیں کرنا تو جاؤ یہاں سے''۔

''کس سے آخر دوری چاہتی ہو حویلی سے یا مجھ سے؟''

''دونوں سے'' وہ ریوالونگ چیئر پر بیٹھ گئی۔

''چچ چچ......''

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے!

''ویسے آزاد تو میں تمہیں کر ہی دوں گا لیکن ابھی کچھ حساب بھی تو چکتا کرنے ہیں''۔ وہ تصویر ٹیبل کے دراز میں رکھتے

لگا وہ منہ کھولے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆

بے بسی اور لاچاری کیا ہوتی ہے اس کا ادراک اسے زندگی میں پہلی بار ہوا تھا اس نے کبھی کسی سے محبت کی تھی یا نہیں مگر اذلان شاہ سے اسے عجیب سی چڑ ہو گئی تھی وہ اس شخص کی خود پر حاوی ہوتی شخصیت سے خوفزدہ تھی اس لئے تو اس نے من ہی من میں بیر باندھ لیا تھا اس سے۔ ژالے آفندی سحر کر دینے والوں میں سے تھی مسحور ہو جانے والوں میں سے نہیں اس گھمنڈ سے اس نے ہزاروں مردوں کو اپنے پیچھے خوار کر دیا تھا' اس کا بیسٹ فرینڈ عادل عرفان جو اس کی محبت میں پاگل تھا اس کے پاگل پن سے لطف اندوز ہونے کے لئے ہی وہ اس پر عام لوگوں کی نسبت مہربان نظر آتی تھی بہت سی رشک آمیز نگاہوں کی آخری حد پر پہنچتی بے بسی اسے بہت آسودہ کرتی تھی۔

اور آج...... آج وہ بے جان مردہ تن تتلی کی طرح بیڈ کے کونے پر کٹی پڑی تھی ضروری نہیں دوسروں کے دل پر راج کرنے والے ہمیشہ فاتح ٹھہریں کبھی کبھی مقدر کی شکست انہیں ہرا بھی دیتی ہے دوسروں کی بے بسی سے لطف اندوز ہونے والوں کو جب قفس میں آنا پڑے تو انہیں اپنے سوا کسی اور کو دیکھنے کی فرصت ملتی ہے۔ ژالے آفندی...... جس کے ایک اشارے پر ہزاروں مرد پروانہ وار نثار ہو جانے کے لئے بے تاب رہتے تھے آج ایک عام سے مرد کی پناہ میں آئی تو ساری تیز طراری اور کروفر ہوا ہو گیا تھا۔

وہ عام سا مرد اس کا شرعی حقدار اور اس کا حقیقی طلب گار اذلان شاہ آفندی تھا' وہ اب ژالے آفندی نہیں۔ ژالے اذلان شاہ آفندی تھی وہ چاہے اس رشتے پر خوش تھی یا نہیں مگر اسے ماننے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا اذلان شاہ اس پر اپنا حق جتا کر اسے ایک بار پھر اس ویران اور اجاڑ حویلی کی تنہائیوں کے سپرد کر کے چلا گیا تھا۔ لیکن اب اس کے دل میں ''آزادی'' کی خواہش دم توڑ چکی تھی اس نے خود کو پہلی بار قسمت کے دھارے پر چھوڑا تھا۔

قسمت جو مانتی نہیں منواتی ہے
قسمت جو بدلتی نہیں بدل دیتی ہے

☆......☆......☆......☆......☆

شاہ جی نے اسے ایمرجنسی کال کر کے بلایا تھا وہ ژالے آفندی کی نگاہوں کی حیرانگی اور سراسیمگی کا احساس من میں لئے ہی بہت عجلت میں واپس شہر روانہ ہوا تھا وہ بہت ٹھنڈے اور ٹھہرے ہوئے مزاج کا حامل تھا اتنی جذباتیت اس میں کہاں سے آئی اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا وہ پہلی بار اپنے کسی فعل پر اس قدر ندامت محسوس کر رہا تھا اس کا ذہن اس وقت اس قدر منتشر تھا کہ وہ کسی ایک پہلو پر بھی یکسوئی سے سوچ نہ سکا۔

پورچ میں کھڑی ایف ایکس نے اسے چونکایا تھا یہ گاڑی اس نے آفندی ولا میں کھڑی دیکھی تھی' ہشام آفندی کے باوردی گارڈز کو استفہامیہ نظروں سے تکتے ہوئے اس نے دروازے پر دستک دی۔

''بھائی! وہ ہشام چاچو آئے ہیں''۔ سبیلہ نے چھوٹتے ہی اطلاع فراہم کی۔

''ہشام چاچو''۔ اسٹک ٹیبل پر رکھ کر وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا اندر سے بلند ہوتے مردانہ وار قہقہوں نے اسے کچھ پل کے لئے کنفیوژ کر دیا اندر اس کے سسر موجود تھے جو اسے مجرم کے طور پر مطلوب تھے زندگی کیسے کیسے نشیب و فراز سے پردہ سرکاتی ہے کس کس موڑ پر لا کھڑا کرتی ہے۔

''اسلام علیکم''۔ اس کی بھاری گھمبیر آواز اور ساحرانہ شخصیت نے سامنے صوفے پر دراز لمبے چوڑے ڈیل ڈول

والے شخص کا قہقہہ اس کے حلق میں ہی گھونٹ دیا' اس کی آنکھوں میں واضح حیرانگی پھیل چکی تھی۔

"تم......" وہ اسے کیسے نہ پہچانتا قانون کے سچے اور کھرے محافظ کو وہ کیونکر نہ پہچانتا۔

"ایس پی اذلان شاہ"۔ وہ اب کھڑا ہو گیا تھا۔

"جی...... مجھے ایس پی اذلان شاہ کہتے ہیں"۔ ان کے سامنے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا کر وہ تمسخرانہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا تھا یہ شخص ان کی ناپسندیدہ شخصیات میں ہٹ لسٹ پر تھا۔ یہ شخص جس نے انہیں زندگی میں سب سے زیادہ خوار اور پریشان کیا تھا ان کا داماد تھا ان کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کا شوہر۔

"راجہ! تم نے کبھی بتایا نہیں کہ تمہارا بیٹا پولیس آفیسر ہے"۔ وہ اب خود کو سنبھال چکا تھا۔

"بس ایسے ہی"۔ شاہ جی خفیف سے ہو گئے تھے یہ صورتحال دیکھ کر۔

"بیٹھو"۔ وہ اب تیز اور گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھے۔

"میں چینج کر کے آتا ہوں"۔

"پریشان ہو گیا ہے میرے بیٹے کو دیکھ کر؟" اس کے نکلتے ہی محسن شاہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں...... اس نے اعتراف کیا۔

"راجہ! تیرا بیٹا تو بہت ناپسند کرتا ہے مجھے پھر وہ میری بیٹی کو کیسے اپنائے گا؟"

"کیا تجھے خوشی نہیں ہوئی کہ تیرا داماد ایک پولیس آفیسر ہے کیا تجھے پسند نہیں آیا میرا بیٹا؟"

"میں اسے ایک مجرم کی حیثیت سے ناپسند کرتا آیا ہوں تجھ جیسے محب وطن لوگوں کے لئے وہ ایک آئیڈیل پولیس آفیسر ہے مگر راجہ! میری بیٹی کو اپنا تو لے گا نا تیرا بیٹا؟" وہ اب پریشان ہونے لگا تھا۔

"کیا تیرا بیٹا تیرا بیٹا کہے جا رہا ہے وہ تیرا بھی تو کچھ لگتا ہے اور جہاں تک ژالے کو اپنانے کی بات ہے تو شروع میں اس نے مجھ سے اختلاف کیا تھا مگر مجھے لگتا ہے اب اس کی رائے بدل چکی ہے میرا مطلب ہے وہ ژالے بیٹی کو پسند کرتا ہے"۔

"سچ......" اس کی آنکھیں پل بھر کو چمکیں۔

"اگر ایسا ہے تو یہ میرے لئے بہت بڑی خوش قسمتی ہوگی کیونکہ اذلان شاہ جیسا داماد تو ہر باپ کی خواہش ہو سکتا ہے میں نے تو کبھی زندگی میں کوئی بڑی نیکی بھی نہیں کی راجہ! کہ خدا نے مجھے اتنا بڑا انعام دے دیا کیا تجھے اس نے خود بتایا ہے کہ وہ ژالے...... میرا مطلب ہے"۔ وہ جھجک سا گیا۔

"ہاں...... ہاں شامی یار! تو اس کی فکر نہ کر ژالے بیٹی اتنے دنوں سے اسی کی تحویل میں ہے اگر اسے ناپسند ہوتی تو کچھ تو کہتا"۔

"عادل نے تو میرا جینا حرام کر رکھا ہے خدا کا شکر ہے ژالے اس روز اسے ملی نہیں اور اسی رات اذلان نے اسے اغواء کر لیا ورنہ وہ تو پاگل ہوا پھر رہا ہے ہفتے سے تنگ کر نہیں بیٹھا نمبر ملا ملا کر میرا بھی دماغ گھوم گیا۔ مجھے تو تو نے بتا دیا تھا کہ وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے اس لئے میری تو تسلی ہو گئی مگر عادل......"

"اس کو بھی چین چند روز تک آئے گا ہم اگلے چند دنوں میں ژالے بیٹی اور اذلان کا ولیمہ رکھ لیتے ہیں"۔

"سوچ لے میں تو اپنی بیٹی کی طرف سے بہت پریشان ہوں ناکارہ ہو گیا ہوں نا اب کسی کام کا نہیں رہا"۔

"پھر بھی ولیمہ تو کرنا ہے نا"۔

"گاؤں جا کر ولیمہ کر لیتے ہیں راجہ! کم از کم عادل کو تو اس بات کی خبر نہیں ہوگی' ابھی وہ بھڑکا ہوا ہے ژالے کو اذلان

کی بیوی کے روپ میں دیکھ کر کہیں...... تو سوچ لے راجہ' عادل سے کچھ بعید نہیں اپنے باپ کے مرنے کے بعد وہ بہت بے حس اور وحشی سا ہو گیا ہے"۔

"ہر مجرم بے حس اور وحشی ہی ہوتا ہے شامی! خیر تو ایسا چاہتا ہوں تو ایسے ہی سہی میں تیری بھابی اور اذلان سے بات کرتا ہوں پھر"۔

"اچھا...... اب میں چلتا ہوں کسی کی نظر میں آ گیا تو خواہ مخواہ میں"۔ وہ اٹھ گیا۔

"بیٹھ یار! ابھی تو اذلان سے گپ شپ بھی نہیں لگائی تو نے لے یہ میری بیٹی چائے لے آئی"۔

"ماشاء اللہ سے تیرے دونوں بچے سعادت مند' ہونہار اور فرمانبردار ہیں راجہ! بہت خوش قسمت ہے تو"۔ اس نے سبیلہ پر توصیفی نگاہ ڈالی۔

"اس میں قسمت کا نہیں انسان کا اپنا دوش ہوتا ہے شامی! جیسے بیج تو بوئے گا اس کا پھل بھی تجھے ویسا ملے گا بس یہ جو حرص ہے نا یہ نفس اور طمع جیسی بلائیں انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتیں کیا نہیں تھا تیرے پاس گاؤں میں مگر اور زیادہ کی ہوس نے تجھے صراط مستقیم سے بھٹکا دیا آج تیرے پاس دنیا کی ہر آسائش اور سہولت موجود ہے مگر نہیں ہے تو گاؤں کی پرسکون اور خالص زندگی آسودہ اور بے فکری زندگی"۔

"ہق ہاہ"۔ ایک طویل اور سرد آہ اس کے لبوں سے خارج ہوئی تھی پلکیں خود بخود نم ہو گئی تھیں واقعی کیا ملا تھا اسے اپنی جنت ٹھکرا کر دوسروں کے مرغزار میں آ کر؟ آدھی عمر سے بھی زیادہ وقت بیت گیا تھا اسے ضمیر کو سیاہ کرتے اب تو دم خم بھی نہیں رہا تھا۔

اس کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی اس کی زندگی کی واحد خوشی نہ اسے اچھی تربیت دے پایا تھا وہ اور نہ اچھا ماحول

"بس یار! اب تو آخری تمنا یہی ہے کہ اپنی لاڈلی بیٹی کو اس کے گھر میں ہنستا بستا دیکھ سکوں پھر اس کے بعد موت بھی آ جائے تو کوئی غم نہیں گو کہ خدا کی زمین پر بھی چین سے جی پائے نہ اس کے اندر جا کر چین ملے گا"۔

☆......☆......☆......☆......☆

"مجھے سمجھ نہیں آیا شاہ جی! کہ میں اس شخص سے کیا بات کروں کل تک میں اسے عدالت اور جیل میں گھسیٹنے کے منصوبے بنایا کرتا تھا اور آج......" بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے وہ ان کی ڈانٹ خاموشی سے سن چکا تھا جو انہوں نے ہشام آفندی سے کوئی بات نہ کرنے پر پلائی تھی۔

"جو بھی ہے وہ چاچا ہے تیرا اور اس سے بڑھ کر سسر"۔

"سسر"۔ وہ یونہی ہنس دیا۔

"خیر! تو چھوڑ اسے ژالے بیٹی کو کس جرم کی سزا دے رہا ہے اس ویران اور اجڑی حویلی میں قید کر کے یہاں لے آ اسے۔ بیچاری پاگلوں کی طرح پھرتی ہوگی اس ویران حویلی میں"۔

"امی سے پوچھ لیں"۔ وہ خاموش بیٹھیں نادیہ بیگم کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں نے کیا منع کیا ہے تمہیں؟" انہوں نے گھورا۔

"نہیں...... منع تو نہیں کیا۔ ایکچولی وہ اس روز آپ کو پسند نہیں آئی تھی نا اس لئے اس کا آنا کہیں ناگوار نہ گزرے یہی سوچ کر میں اسے یہاں نہیں لایا"۔ وہ سر کھجانے لگا۔

"آنا تو اب اس نے یہیں ہے کسی کو اچھا لگے یا برا"۔ شاہ جی کو بری لگی تھی اس کی بات اس لئے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ نادیہ بیگم کو گھورنا نہیں بھولے تھے۔

”میں بھلا اس سے کب ملی تھی؟“ نادیہ بیگم اپنی یادداشت کھنگالنے میں گم تھیں اس لئے ان کا گھورنا نوٹس نہ کر سکیں۔
”ملی تھیں آپ اور وہ بیلا بھی...... کہاں ہے بیلا“۔ مسکان اس کے لبوں پر نزاکت سے بکھری۔
”ہم یہاں ہیں جناب“۔ وہ کچن سے برآمد ہوئی۔
”توبہ ہے ہر وقت کھاتی رہتی ہو اب کیا کھا رہی تھیں“۔
”کھا نہیں رہی بنا رہی ہوں جب بن جائے گا تو بتا دوں گی“۔
”بیلا! تمہیں وہ ہوٹل والی لڑکی یاد ہے یا بھول گئیں؟“
”وہ بھورے بالوں مغرور حسینہ“۔ اس نے آنکھیں پٹپٹا کر کہا تو اذلان کی مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔
”ہاں وہی“۔
”اسے میں بھول سکتی ہوں بھلا میں تو جب بھی کوئی ناول پڑھتی ہوں مجھے لگتا ہے کہ اس کی ہیروئن اس ہوٹل والی جیسی ہو گی پہلے میں سوچتی تھی کہ یہ رائٹرز کتنا جھوٹ لکھتی ہیں کوئی لڑکی اتنی خوب صورت بھی ہو سکتی ہے جتنا وہ بتاتی ہیں مگر اس لڑکی کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے“۔
”تم نے اس روز دعا مانگی تھی کہ خدا اسے تمہاری بھابھی بنا دے اب بھی اسی دعا پر قائم ہو یا رائے بدل گئی؟“
”اف بھائی! اگر ایسا ہو جائے تو میں...... میں“۔ اسے فوری سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔ نادیہ بیگم استعجابیہ نظروں سے اسے تک رہی تھیں۔
”کیا دو گی مجھے......؟“ لبوں پر مچلتی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس نے اپنی چوڑی ہتھیلی پھیلائی تھی۔
”پلیز بھائی! کوئی کھیل کھیل رہے ہیں کیا وہ لڑکی ملی تھی آپ سے؟ ان کا نام پتہ؟“
”ژالے آفندی نام ہے اس کا“۔
”ژالے آفندی“۔ نادیہ بیگم بری طرح چونکی تھیں۔
”جی...... ژالے آفندی، ہشام چاچو کی بیٹی وہی ہے جو اس روز ہمیں ہوٹل میں نظر آئی تھی“۔
”کیا“۔ دونوں کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا اذلان کھل کر مسکرا دیا۔
وہ اسی شام واپس لوٹ آیا تھا۔ ژالے ہارے ہوئے جواری کی طرح کارپٹ پر سر گرائے بیٹھی تھی۔ دروازے کے کھلنے اور بند ہونے پر بھی اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔
”میں نیچے گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں جلدی سے آ جاؤ“۔ اس کے خیال میں تو وہ یہ سن کر بہت خوش ہو گی، مگر وہ یونہی ٹس انداز میں بیٹھی تھی تو اس نے اس کا بازو ہلایا۔

”ژالے“۔
”ہاتھ مت لگاؤ تم مجھے۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے مجھے کہیں نہیں جانا تمہارے ساتھ“۔ اس کے ہاتھ کو بے دردی سے جھٹک کر وہ بل کھائی ناگن کی طرح پھنکاری تھی۔
”آئم سوری...... وہ......“ اس کا احساس ندامت مزید گہرا ہوا۔
”سوری...... واٹ ڈو یو مین بائے سوری“۔ وہ اس پر جھپٹی۔
”بس یہی تھی تمہاری حقیقت ایس پی اذلان شاہ! یہیں تک ہے تمہاری مردانگی، اس کا گھمنڈ تھا تمہیں کیوں کیا تم نے میری انانیت، میری نسوانیت کا خون؟ کیوں مجھے میری ہی نظروں میں گرایا تم نے؟ مجھ میں ہزار برائیاں تھیں مگر میں

کریکٹر لیس نہیں تھی اور تم نے......“ اس کی شرٹ کے بٹن ٹوٹنے کے قریب ہو گئے تھے۔
”کس چیز کا انتقام لیا تم نے مجھ سے بتاؤ جواب دو مجھے ریپلائی می فار سیک! بتاؤ مجھے ورنہ میں مر جاؤں گی“۔ وہ بے ساختہ چیخنے لگی تھی اور پھر اس کے شانے پر سر لگا کر بے دردی سے رو دی۔
”کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا اذلان شاہ کیوں؟“ اذلان شاہ حیرت سے گنگ رہ گیا تھا۔ اس کے ساکت لبوں پر لڑکھڑاتا ہر حرف گونگا ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

”گھر آ گیا ہے ژالے! نیچے اترو“۔ وہ فرنٹ ڈور وا کیے اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا وہ جس طرح اس کے ساتھ آ گئی تھی اس طرح نیچے بھی اتر آئی دور تک لہلہاتے کھیتوں اور نرم سوندھی مٹی کی خوشبو نے اسے چونکنے پر مجبور کیا تھا۔
”یہ تو کوئی گاؤں ہے شاید؟“ پھر نورینی دائیں طرف کی دومنزلہ عمارت ”شاہ ہاؤس“ کی سیاہ تختی پر نگاہ دوڑاتے ہوئے اس نے اذلان شاہ کے پھیلے ہاتھ کو نظر انداز کر کے قدم آگے بڑھایا اور گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے ٹھٹکی تھی۔
پورچ میں کھڑی کرولا نے اسے حیران نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو آنکھیں پھاڑے اس کے پیچھے کھڑی ایف ایکس کو دیکھ رہی تھی یہ تو ہشام آفندی کی گاڑی تھی جس کے بیک مرر پر آفندی اس پر یقین کی مہر ثبت کر رہا تھا۔
معاً سامنے سے ایک اٹھارہ انیس سالہ لڑکی بھاگتی ہوئی اسی کی طرف چلی آ رہی تھی۔
”بھائی آپ لے آئے بھابھی کو......“ اس کے گلابی چہرے پر بے تحاشہ خوشی تھی
”واقعی یہ تو وہی ہیں اوگاڈ! مجھے اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی“۔ وہ اب ژالے کا ہاتھ تھام چکی تھی ژالے کی نگاہ میں واضح الجھن تھی۔
”پتہ ہے میں نے آپ کو پہلی بار پی سی میں دیکھا تھا اور وہیں میں نے دل سے دعا مانگی تھی کہ کاش آپ میری بھابھی بن جائیں، مجھے نہیں یقین تھا کہ میری دعا اتنی جلدی قبول ہو جائے گی بھائی آپ نے تنگ تو نہیں کیا میری اکلوتی اور پیاری سی بھابھی کو“۔ وہ اذلان شاہ سے پوچھنے لگی وہ خاموش نگاہ ژالے آفندی پر ڈال کر اندر بڑھ گیا۔
”بھائی اوپر سے جتنے سخت اور اصول پسند نظر آتے ہیں اندر سے اتنے ہی پولائٹ اور سوفٹ نیچر ہیں اف...... میں بھی کتنی پاگل ہوں آپ کو بولنے کا موقع دیئے بنا خود ہی بولے جا رہی ہوں آپ پلیز! مائنڈ مت کیجئے گا جب میں بے تحاشا خوش ہوتی ہوں تو بے تحاشہ بولتی ہوں“۔ ژالے اس کی باتوں پر بیزاریت سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کے چہرے پر بکھری خوشی کے ان گنت رنگوں کو دیکھ کر خاموش ہو گئی۔
”چلیں! اندر چلتے ہیں آپ کے بابا بھی اندر ہی ہیں“۔
”بابا...... کیا بابا بھی یہاں پر ہیں......؟“
”آف کورس آپ کے بابا یعنی ہمارے چاچو“۔
”کہاں ہیں وہ؟“ وہ اس سے ہاتھ چھڑا کر اندر کی طرف بھاگی ہشام آفندی باہر ہی آ رہے تھے۔
”بابا“۔ وہ دوڑ کر ان کے سینے سے جا لگی آنسو ایک بار پھر بے وفائی کر گئے تھے۔
”ار...... رے بیٹا! رو کیوں رہی ہو؟“ ان کی آنکھیں بھی نم تھیں۔

"بابا پورے چھ دن ہو گئے آپ نے مجھے ڈھونڈا کیوں نہیں اور یہ سب کون ہیں؟" اذلان شاہ کے ساتھ کھڑے محسن شاہ اور نادیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

"یہ شخص اذلان شاہ جس کو آپ سخت ناپسند کرتے ہیں بابا! یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ ہم دونوں...... بابا کیا یہ وہی ہے جس کے متعلق آپ نے کہا تھا کہ وہ گاؤں میں رہتے ہیں"۔

"ہاں بیٹا؟ یہ اذلان شاہ جسے میں کل تک راستے سے ہٹانے تک کے منصوبے بناتا تھا' مجھے نہیں خبر تھی کہ یہ میری بیٹی کا سہاگ ہے میرے جگری یار رلجہ کا بیٹا ہے"۔

"رلجہ کیا یہ رلجہ انکل ہیں؟" یہ نام تو اس نے بچپن سے اپنے بابا کے منہ سے سنا تھا وہ اکثر ان کی خوب صورت باتیں دہرایا کرتے تھے۔

"ہاں بیٹا! میں ہی تمہارا رلجہ انکل ہوں"۔ محسن شاہ نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"اور یہ تمہاری نادیہ آنٹی جو خیر سے ساس صاحبہ بھی ہیں اور یہ اکلوتی نند سیلہ"۔ سب پر نگاہ دوڑاتے ہوئے اس کی نظر آخر میں کھڑے اذلان شاہ پر جا رکی تھی وہ سنجیدہ چہرہ لئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"بابا آپ نے ڈھونڈا تھا مجھے عادل تو"۔

"ہاں...... شروع میں' میں پریشان ہو گیا تھا مگر پھر جلد ہی مجھے پتہ چل گیا کہ تم محفوظ ہاتھوں میں ہو تمہیں تمہاری حفاظت کے لئے ہی اذلان نے کڈنیپ کیا تھا عادل البتہ ابھی بھی بہت بے چینی سے تمہاری تلاش میں ہلکان ہے"۔

"چلیں! یہ باتیں تو پھر بھی ہوتی رہیں گی چائے بالکل تیار ہے پلیز اندر آ جائیں سب لوگ"۔ سیلہ نے کہا تو سب سر ہلاتے اس کے پیچھے چل دیئے۔ ژالے نے قدم اٹھایا تو اذلان نے سرعت سے آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھامی۔

"دیکھو! تمہارے جو بھی حساب میری طرف نکلتے ہیں ان کے جواب میں ہی دوں گا کسی دوسرے کو اس میں شریک مت کرنا"۔ وہ سختی سے باور کروا رہا تھا۔

"ہونہہ"۔ ژالے نے کلائی چھڑائی اور اندر بھاگ گئی۔

☆......☆......☆......☆......☆

لائٹ پرپل اور پنک امتزاج کے بے حد دلکش اور نفیس لہنگے کی قیمت اس کے گداز بدن پر سج کر مزید بڑھ گئی تھی شہر سے بلوائی گئی بیوٹیشن کے مشاق ہاتھوں نے اس کے ایک ایک نقش کو سحر انگیز بنا دیا تھا۔

ایک پل کو تو وہ اپنا اس قدر مشرقی سراپا آئینے میں دیکھ کر خود بھی حیران رہ گئی تھی اس نے آج تک جینز شرٹ اسکرٹس اور شارٹس کے علاوہ کسی قسم کا مشرقی لباس کبھی نہیں پہنا تھا ساڑھی وہ پہن لیتی تھی مگر بہت ہی کم شاید ایک دو دفعہ وہ بھی ود آؤٹ شولڈر اور آج پہلی بار اس طرح تیار ہوئی تھی اپنی ہی نظر لگ جانے کے ڈر سے اس نے دوبارہ آئینہ نہیں دیکھا۔

نادیہ بیگم جو پرسوں سے سنجیدہ چہرہ لئے گھوم رہی تھیں آج اس کے دولہناپے کو دیکھ کر واری صدقے جا رہی تھیں پورا گاؤں محسن شاہ کی بہو دیکھنے کے لئے امڈ پڑا تھا۔

"ماشاء اللہ چشم بددور رج کے سوہنی ہے۔ شاہ جی کی بہو تو منڈا ابھی ماشاء اللہ چند کا ٹوٹا ہے مگر بہو تو کانچ کی گڑیا لگ رہی ہے"۔ ہر عورت کے منہ سے تعریفی کلمات ہی بلند ہو رہے تھے تعریف اس کے لئے نئی نہیں تھی' وہ بچپن سے ہی بے

تحاشا تعریفیں اپنا حق جان کر سنتی آ رہی تھی سیلہ بے حد اترائی پھر رہی تھی۔ ونیسے کی تقریب میدان میں ٹینٹ لگا کر کی گئی تھی اسٹیج بے حد خوب صورتی سے تیار کیا گیا تھا۔

"سیلا! میری گھڑی نہیں مل رہی کہاں......" وہ کف لنکس لگاتا عجلت میں کمرے سے نکلا تھا اور سامنے سیڑھیوں سے اترتی ژالے پر نگاہ پڑتے ہی وہ اپنی بات بھول گیا۔ نیچے گاؤں کی عورتوں اور لڑکیوں کا جم غفیر تھا وہ سیلہ اور نادیہ بیگم کی سنگت میں سیڑھیاں اتر رہی تھی جیسے کوئی ملکہ اپنی ریاست میں قدم رکھنے جا رہی ہو لڑکیوں کے ٹھٹس اور ماشاء اللہ کی بدستور گردان اس کے کانوں میں پڑ رہی تھی سیلہ کو اس کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

"سیلا"۔ وہ قدرے بلند آواز میں بولا تو کئی نے ایک ساتھ مڑ کر دیکھا جس میں آخری نگاہ اسی شعلہ جوالہ کی تھی اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ زاویہ بدل گئی۔

"میری گھڑی"۔ اس نے کلائی کی طرف اشارہ کیا۔

"میں آتی ہوں آپ لوگ پلیز جگہ دیں"۔ آن واحد میں ہال کمرہ خالی ہو گیا تھا سیلہ گھڑی لینے اندر چلی گئی تھی اذلان شاہ کو اس پر سے نظر ہٹانا بے حد دشوار امر لگا مگر ماں کی موجودگی کے باعث اسے وہاں سے جانا ہی پڑا۔ اور جب دونوں اسٹیج پر بیٹھے تو لوگوں نے انہیں چاند سورج کی جوڑی سے تشبیہ دی تھی۔

"بلیوی' آج مجھے پہلی بار اندازہ ہو رہا ہے کہ تم واقعی بے حد حسین ہو سیلا تم پر یونہی نہیں فدا بلکہ اب تو اس کا بھائی بھی"۔ باوجود کوشش کہ وہ خود کو کہنے سے روک نہیں پایا تھا تقریب احسن طریقے سے نمٹ گئی تھی اس کے بابا اسے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے وہ سیلہ سے پوچھنا چاہتی تھی مگر اسے آج فرصت ہی نہیں تھی پھر تھکن کے باعث وہ جلد ہی گھر آ گئی گو کہ عورتیں ابھی مزید اسے دیکھنا چاہتی تھیں۔

"سیلا! بابا کہاں ہیں؟" اس نے سب سے پہلے پریشان صورت لئے سیلہ سے پوچھا جو دوڑتی ہوئی اذلان شاہ کی طرف ہی جا رہی تھی۔

"بھابھی وہ...... بھائی...... بھائی......" ایک پل کو اس کے سامنے رک کر وہ پھر سے سیڑھیاں اتر گئی شام میں جب وہ اسٹیج کی طرف جا رہی تھی تو ہشام آفندی نے اسے سینے سے بھینچ کر بے تحاشہ پیار کیا تھا وہ رونے بھی لگے تھے اور وہ ان کو خاموش کرواتے کرواتے خود بھی رو پڑی تھی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے عزیز بابا سے آخری پیار لے رہی ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

ایمرجنسی وارڈ کے باہر کھڑی نادیہ بیگم کے شانے سے لگی وہ کانپے گئی تھی سب بے حد پریشان تھے محسن شاہ تو جائے نماز سنبھالے بیٹھے تھے ہشام حسن آفندی کو اکٹھے تین ہارٹ اٹیک آئے تھے ان کا جانبر ہونا بے حد مشکل تھا اس کا واٹر پروف میک اپ مسلسل رونے کی وجہ سے اب پھیلنے لگا تھا اس کا بھاری زرتار دوپٹہ سر سے سرک چکا تھا۔

"بھابھی! کچھ نہیں ہوگا چاچو کو آپ پلیز سنبھالیں خود کو"۔ سیلہ جو خود بھی بے حد پریشان تھی اس کا رونا اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"کیا ہوا میرے بابا ٹھیک تو ہیں؟" اذلان شاہ کے باہر نکلتے ہی وہ بےتابی سے اس کی جانب بڑھی تھی۔

"تم بولتے کیوں نہیں ہو' بتاؤ مجھے کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر؟" اس نے اذلان کا گریبان پکڑ لیا تھا معاً سرجن ہمدانی اس کے پیچھے ہی باہر آئے۔

"آئی ایم سوری مس اذلو سور ہم نے بہت کوشش کی مگر"۔

''بابا''۔وہ دردناک انداز میں چلاتے ہوئے اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆

ہشام حسن آفندی کی تدفین تک وہ سپاٹ چہرہ لئے بے حس بیٹھی رہی تھی اسے بے تحاشہ رونا آ رہا تھا مگر وہ رو نہیں پارہی تھی وہ چلانا چاہتی تھی مگر چلا نہیں پارہی تھی کل تک جس گھر میں خوشی کے شادیانے بج رہے تھے وہاں آج صف ماتم بچھ چکی تھی موت کے گہرے سکوت نے نوحے اور بین پھیلا دیئے تھے ہر آنکھ کل ژالے آفندی پر رشک کر رہی تھی اور آج انہی نگاہوں میں ترحم تھا۔

''ارے! کچھ بھی کر کے بچی کو رلاؤ ورنہ اس کی دماغ کی نس پھٹ جائے گی''۔عورتیں مختلف خدشات بیان کر رہی تھیں اذلان شاہ نے ہشام آفندی کی چارپائی سے لگی بیٹھی اجڑی ویران ژالے پر نگاہ ڈالی تو اس کا دل کٹ سا گیا۔

''ژالے! دیکھو تمہارے بابا کو لے جایا جارہا ہے ژالے وہ ہمیشہ کے لئے وہاں جارہے ہیں بیٹی جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا''۔نادیہ بیگم روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''بھابھی! ایک بار چاچو کا چہرہ دیکھ لیں' آخری بار بھابھی پھر یہ چہرہ آپ کبھی نہیں دیکھ پائیں گی''۔

''ژالے''۔اذلان عورتوں کی بھیڑ چیرتے ہوئے اس کے سامنے آیا وہ اسے بھی سپاٹ آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

''ژالے! ہوش کرو''۔اس نے اسے جھنجوڑا اور پھر اس کا انداز دیکھ کر اس کے نازک گال پر تھپڑ دے مارا سب شاک کی کیفیت میں گھر گئے تھے۔

''تم......تم لے کر گئے تھے نا میرے بابا کو کہاں ہیں میرے بابا''۔وہ ایک دم ہوش میں آئی تھی۔

''میرے بابا مجھے واپس چاہئیں اذلان شاہ! تم لے کر گئے تھے انہیں بابا......پلیز واپس آ جائیں بابا!'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی اذلان شاہ نے تڑپتی بلکتی ژالے آفندی کو بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

''اذلان میرے بابا......پلیز واپس آ جائیں بابا! میں آپ سے کبھی خفا نہیں ہوں گی آپ نے جو کہا میں نے مان لیا' بابا پھر کیوں چلے گئے آپ اتنی خاموشی سے کچھ کہے سنے بغیر''۔تھک کر نڈھال ہوتے بین اور نوحے پھر سے بلند ہونے لگے تھے۔

''ژالے''۔نادیہ بیگم کی پکار پر اس نے رخ موڑ کر انہیں دیکھا جو ہاتھوں میں ٹرے لئے کھڑی تھیں۔

''مجھے بھوک نہیں ہے آنٹی''۔ان کے کچھ کہنے سے قبل ہی اس نے انکار کر دیا تھا۔

''بھوک نہ بھی ہو تب بھی چند نوالے لے لو بیٹا! دو دنوں سے تم نے کچھ نہیں کھایا''۔

''جب بھوک ہی نہیں ہے تو کھاؤں گی کیسے''۔کھڑکی سے نظر آتے تاحد نگاہ پھیلے کھلیانوں میں کپاس توڑتی عورتوں پر نگاہ جمائے وہ بے بسی سے کہہ رہی تھی آج تیسرا دن تھا ہشام حسن آفندی کے انتقال کو میڈیا میں یہ خبر آگ کی طرح پھیلی تھی جو لوگ ان کے ہوتے ہوئے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرتے تھے وہ ان کی وفات کے بعد بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے میڈیا کی زبان سے اسے خبر ہوئی تھی کہ اس کے بابا در پردہ ایک اسمگلر تھے' اس کی اذیت سوا ہو گئی تھی عادل دو روز سے مسلسل اس سے رابطے کی کوشش میں تھا مگر وہ کسی سے کوئی بات نہیں کر رہی تھی میڈیا والے اس کے تاثرات جاننے کو بے تاب تھے اذلان شاہ کی وجہ سے وہ خود کو میڈیا سے دور رکھنے میں کامیاب ہو پائی تھی۔اذلان شاہ دو دنوں سے شہر میں ہی تھا اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا۔

''کیا ہوا امی؟'' واش روم سے نکلتے اذلان کی نگاہ نادیہ بیگم کی طرف اٹھی۔

''یہ کھانا لائی تھی میں ژالے نے دو دن سے سوائے پانی اور چائے کے کچھ نہیں لیا اب بھی منع کر رہی ہے''۔

''آپ رکھ دیں میں دیکھتا ہوں''۔گھنے بالوں کو تولیے سے رگڑتے ہوئے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''ژالے بیٹا! کھانا کھا لینا''۔وہ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر چلی گئیں اذلان شاہ آئینے میں اسے بغور دیکھ رہا تھا زرد لباس میں وہ بہت افسردہ لگ رہی تھی' گھنے بھورے بال بے ترتیب سے شانوں پر ڈھلکے ہوئے تھے' لائٹ پرپل اور پنک کانچ کی چوڑیاں ابھی بھی اس کی کلائی میں پڑی ہوئی تھیں اس کے ذہن میں تین دن پہلے کا اس کا الوہی روپ لہرایا۔کتنے لفظ ترتیب دیئے تھے اس نے ذہن میں اور سب کچھ بکھر گیا تھا اس کی منہ دکھائی ابھی تک سیف میں بند پڑی تھی۔

''ژالے''۔شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے وہ اس کی اور آیا وہ کچھ بھی نہیں بولی۔

''کھانا کیوں نہیں کھا رہیں تم......؟''

''مجھے بھوک نہیں ہے''۔

''کھاؤ گی تو بھوک محسوس ہو جائے گی' چلو آؤ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے''۔اس نے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''کہا نا بھوک نہیں ہے مجھے''۔اس نے اس کا ہاتھ بے دردی سے جھٹکا گویا جرم ابھی بھی ناقابل معافی تھا۔

''بے شک بھوک نہ ہو مگر میرا ساتھ تو دو''۔

''آپ نے کھانا ہے تو کھا لیں مجھے ڈسٹرب مت کریں''۔

''ڈسٹرب تم مجھے کر رہی ہو''۔

''ٹھیک ہے میں یہاں سے چلی جاتی ہوں''۔وہ پلٹی۔

''ژالے! کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ ایسا؟'' لپک کر کلائی تھامی۔

''آپ نے کیوں میرے ساتھ ویسا کیا تھا؟'' میں آپ ہی کی امانت تھی تو وقت سے پہلے خیانت کیوں کی؟'' وہ چیخی۔

''میں شرمندہ ہوں ژالے! اپنے جذباتی فعل پر بہت ندامت ہے مجھے آئی سوری''۔

''پلیز اذلان! میں کچھ نہیں سننا چاہتی''۔

''تو ٹھیک ہے تمہاری ناراضی مجھ سے ہے کھانے سے تو نہیں کھانا تو تمہیں کھانا پڑے گا''۔اپنے موڈ کو فریش کرتے ہوئے وہ اسے بیڈ تک لے آیا اور پہلا نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈالنے کا سوچ ہی رہا تھا جب سہیلہ نے دروازہ ناک کیا۔

''دروازہ کھلا ہے بیلا! اندر آ جاؤ''۔

''بھائی! وہ عادل صاحب آئے ہیں ژالے بھابھی سے ملنے''۔اس نے اندر جھانکا تو اس کی اپنی بھوک بھی ایکدم ختم ہو گئی تھی وہ ژالے کو دیکھنے لگا جو دوپٹہ سنبھال کر اٹھی تھی اور اس سے پوچھے بغیر اسے دیکھے بنا باہر نکل گئی نوالہ بے دلی سے پلیٹ میں رکھ کر اس نے سہیلہ کو کھانا واپس لے جانے کا کہا۔

''یہ کیا کھانا تو اسی طرح رکھا ہے آپ نے......''

''تمہاری بھابھی کو بھوک نہیں ہے اور میرا موڈ نہیں رہا''۔وہ سیل پر کوئی نمبر ملانے لگا۔

☆......☆......☆......☆......☆

چوڑیوں کی کھنک پر ڈرائنگ روم کے وسط میں کھڑے عادل عرفان نے بے ساختہ پلٹ کر اندر داخل ہوتے ژالے آفندی کو دیکھا اور ٹھٹک گیا زرد رنگ کے شلوار قمیض میں ہمرنگ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ اس ژالے سے یکسر مختلف لگی تھی جس سے اس کی بے حد انڈر اسٹینڈنگ تھی۔

''ژالے! یہ تم ہو؟'' اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''کیسے ہو عادل؟'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ لئے صوفے پر آ بیٹھی۔

''بیٹھو پلیز''۔

''میں تو ٹھیک ہوں مگر کن لوگوں میں رہ رہی ہو تم' یہ اذلان شاہ خواہ مخواہ میں تمہارا کزن کہاں سے نکل آیا' دو دن سے مسلسل نظر انداز کر رہی ہو تم مجھے اس کی وجہ پوچھ سکتا ہوں''۔

''بس یونہی' کسی سے ملنے کو دل نہیں کرتا''۔

''میں کسی نہیں ہوں ژالے''۔ وہ چبا کر بولا۔

''خیر یہ بتاؤ کیسے آنا ہوا؟'' وہ اس کا انداز ٹال گئی۔

''میں تمہیں لینے آیا ہوں''۔

''مجھے مگر کیوں......؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

''ژالے! اپنے گھر نہیں چلنا تم نے...... یہ کس فضول سی جگہ پر ہو تم اتنے دنوں سے ہو یہ جو تمہارے نام نہاد رشتے دار اتنے سالوں بعد اچانک کہیں سے ٹپک پڑے ہیں انہوں نے ہی اتنے دن تمہیں اپنے پاس زبردستی روک کے رکھا تھا نا میں تو شاکڈ ہوں کہ جس جگہ تم تھوکنا پسند نہیں کرتیں' وہاں اتنے دنوں سے رہ کیسے رہی ہو اور ادھر میں اسٹوپڈ تمہیں پاگلوں کی طرح ڈھونڈتا پھر رہا تھا کم از کم تمہیں انفارم تو کرنا چاہئے تھا نا''۔

''عادی! اب اس گھر میں رہا ہی کون ہے میرے لئے جس کے لئے میں واپس جاؤں''۔ اس کے لہجے میں یاسیت گھل گئی۔

''میں ہوں نا ڈیئر! ہم دونوں رہیں گے اس گھر میں''۔

''مگر کس رشتے سے؟ اس کی وضاحت کرنا پسند کریں گے آپ''۔ اذلان اچانک ہی اندر آیا تھا۔

''مسٹر! میں آپ سے نہیں اپنی دوست سے بات کر رہا ہوں''۔ ناگواری اس کے ماتھے پر شکنوں کی صورت میں ابھری تھی۔

''آپ اپنی دوست سے نہیں مسز اذلان شاہ سے بات کر رہے ہیں مسٹر عادل''۔ وہ لفظوں پر زور دے کر بولا تھا اور پھر اس کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا۔

''واٹ......؟'' عادی اچھل ہی تو پڑا۔

''کیا بکواس ہے یہ؟''

''یہ بکواس نہیں حقیقت ہے' یہ اب تمہاری دوست نہیں میری بیوی بن چکی ہے اور اس رشتے کے بنتے ہی اس کا ہر پرانا تعلق ٹوٹ گیا ہے''۔

''کیا یہ سچ ہے ژالے! اگر یہ سچ ہے تو اس کا نتیجہ بہت برا ہو گا تم صرف میری ہو''۔

''جسٹ شٹ اپ مسٹر عادل! اپنی حد میں رہو میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی کی اس قدر بے تکلفی پسند نہیں

''تمہاری بیوی کل تک میری گرل فرینڈ رہ چکی ہے''۔ وہ پھنکارا۔

''وہ کل کی بات تھی میں آج کی بات کر رہا ہوں ژالے! تم اندر جاؤ''۔ گو کہ اسے قطعی امید نہیں تھی کہ وہ اتنی فرمانبرداری کا مظاہرہ کرے گی مگر جب وہ جانے لگی تو عادل نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑا۔

''ژالے! تم اس طرح نہیں کر سکتیں میرے ساتھ تم صرف......''

''آؤچ''۔ اذلان شاہ کے گھونسے نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی۔

''شرافت کی زبان تمہاری سمجھ نہیں آتی آئے گی بھی کیسے کبھی سیکھی جو نہیں ژالے! تم اندر جاؤ''۔ اس کے غضب ناک لہجے سے دہل کر وہ فوراً اندر بھاگ گئی تھی۔

''ژالے ہشام اب ژالے اذلان شاہ کے نام سے جانی جاتی ہے عادل صاحب! بہتر یہی ہوگا کہ آپ یہیں سے واپس پلٹ جائیں کبھی نہ آنے کے لئے''۔

''میں اپنی چیزیں اتنی آسانی سے دوسروں کو نہیں دیا کرتا مسٹر ایس پی! وردی کا بہت گھمنڈ ہے نا تمہیں یوں چٹکی میں اڑا دوں گا' تمہیں اگر شرافت کی زبان سمجھ آتی ہے تو ژالے کو سیدھے طریقے سے میرے ساتھ روانہ کر دو ورنہ انگلیاں مجھے بھی ٹیڑھی کرنی آتی ہیں''۔

''اوکے وہ دروازہ کھلا ہے جو بھی کرنا ہے اس دروازے سے باہر جا کر کرنا''۔

''تمہیں تو دیکھ لوں گا میں''۔ وہ وارننگ دیتا باہر نکل گیا۔

''دیکھنا تو اب آپ نے ہے بیٹا جی! بہت کر لیں من مانیاں''۔ جیب سے سیل فون نکال کر اس نے انویسٹی گیشن افسر حبیب نظامانی کا نمبر ملایا۔

''مجھے عادل عرفان کے متعلق تمام ڈیٹیلز اور ریکارڈز مطلوب ہیں''۔

☆......☆......☆......☆......☆

''بھابھی! کتنی خاموش اور چپ چاپ رہتی ہیں اب تو دو ہفتے ہو گئے ہیں چاچو کی ڈیتھ کو''۔ لان چیئر پر کسی گہری سوچ میں گم ژالے آفندی کو دیکھتے ہوئے وہ اپنا سوٹ تار پر پھیلا رہی تھی۔

''بھائی ہیں تو وہ اتنے بزی ہو گئے ہیں کسی کیس میں چار دنوں سے یہاں آئے بھی نہیں یہاں دل تو لگتا ہے مگر اپنے گھر بھی تو جانا ہے بھائی پتہ نہیں' ابھی لے جانا نہیں چاہ رہے''۔ خود سے باتیں کرتی وہ اب سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی۔

''کل سعدیہ خالہ آئی تھیں اور ژالے کو سینے سے لگائے کتنی دیر تک روتی رہیں ژالے ان کی اتنی محبت پر کتنی حیران تھی اسے کیا خبر کہ وہ اپنی محبت کی نشانی سے گلے مل کر رو رہی ہیں کتنی محبت کرتی تھیں خالہ ہشام چاچو سے' مگر قسمت کوئی دیوار بن گئی ان کے بیچ مگر مقدر نے فاصلے بنا دیئے''۔ اس نے تنکا اٹھایا اور زمین پر اپنا نام لکھنے لگی۔

''اور وہ بدتمیز حارث کل کتنا فری ہو رہا تھا مجھ سے' پہلے تو کبھی بات بھی نہیں کی منگیتر بنتے ہی ڈائیلاگ مارنے آ گئے ہے تو اچھا یونیفارم میں تو زبردست لگتا ہے میں تصویر لے کر جاؤں گی خالہ سے وہاں اتنی ساری کالج فرینڈز ہیں ان کو اب پتہ چلے گا کہ اس بونگی سی بیلا کا فیانسی آرمی کیپٹن ہے تو کتنی حیران ہوں گی وہ سب''۔

''بیلا! کیا کر رہی ہو بیٹا؟'' شاہ جی کی آواز پر وہ اچھل ہی تو پڑی۔

''کک...... کچھ نہیں شاہ جی''۔ اس نے سرعت سے اپنے نام کے ساتھ لکھا حارث مٹایا۔

"یہ میرا بٹن گرنے ہی والا ہے ٹھیک کر کے لگادو کہیں گر ہی نہ جائے"۔ اپنی سفید قمیض اس کی طرف بڑھا کر انہوں نے لان کی طرف دیکھا۔

"یہ ڈرالے اکیلی ہی بیٹھی ہے"

"جی شاہ جی!"

"بیٹا! تمہیں اس کو کمپنی دینی چاہیے تاکہ اس کے اکیلے پن اور تنہائی کا احساس کم ہو"۔

"جی شاہ جی! میں تو بس یہی سوچ کر کہ کہیں بھابھی مائنڈ نہ کر جائیں ۔ کہ ہم انہیں پرائیویسی۔"

"اس کے ساتھ ہنسو بولو گی تو اسے اپنائیت کا احساس ہوگا کس قدر اداس لگ رہی ہے میری بیٹی اور وہ گھامڑ پتہ نہیں کس نئے کیس میں الجھا بیٹھا ہے خود کو چار دن سے گھر ہی نہیں آیا' ایسے نہیں کہیں آؤٹنگ وغیرہ پر ہی لے جائے تاکہ بچی کا دل بہل جائے اب کے آیا تو خوب کان کھینچوں گا"۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے اندر گئے تو وہ سوئنگ بکس اٹھا کر لان میں ہی چلی آئی۔

"کیا سوچ رہی ہیں بھابھی؟"

"کچھ نہیں بس ایسے ہی"۔

"کہیں بھائی کو تو نہیں سوچ رہی تھیں میں نے خواہ مخواہ ڈسٹرب کردیا"۔ اس نے شرارت سے آنکھیں پٹپٹائیں تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں میں تو بس یونہی"۔

"ویسے میرے بھائی اس قابل تو ہیں کہ انہیں سوچا جائے"۔ اس نے تفاخر سے کہا تو وہ گردن موڑ کر گلاب کے پھولوں کو ہوا کی سرتال پر جھومتے دیکھنے لگی وہ واقعی کچھ دیر قبل اذلان شاہ کو ہی سوچ رہی تھی کہ وہ چار دنوں سے گھر کیوں نہیں آیا وہ اقرار کرتی یا نہیں مگر دل اس کی غیر موجودگی کو محسوس کر رہا تھا' معاً اس کا سیل فون میسج ٹیون دینے لگا۔

"کس کا میسج ہے بھائی کا؟" سمیلہ شرارت سے ہنسی۔

"دیکھا سچ کہتے ہیں لوگ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اپنی وے میسج کیا دیا ہے بھائی نے"۔

اداس لمحوں کا نہ کوئی ملال رکھنا
طوفان میں بھی وجود سنبھال رکھنا
کسی کے لئے شرط زندگی تم ہو
کسی کی خاطر اپنا خیال رکھنا

"اوہو......" وہ آہستگی سے شعر پڑھ رہی تھی مگر سمیلہ کے معنی خیز "اوہو" نے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔

"اوسو کیوٹ بھابھی کتنی پیاری اسمائل ہے آپ کی"۔ سمیلہ نے چٹاچٹ اس کی بلائیں لیں تو وہ جھینپ کر چہرہ رگڑنے لگی۔

کسی کے لئے شرط زندگی تم ہو
کسی کی خاطر اپنا خیال رکھنا

ذہن بار بار یہی شعر دہرائے جا رہا تھا اور آج بہت دنوں بعد اس کے من میں آسودگی پھیلی تھی۔

☆......☆......☆......☆......☆

بساط جان پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح
شب وروز دل پر عتاب اترتے ہیں کس طرح
کبھی عشق ہو تو پتہ چلے
یہ جو لوگ سے ہیں چھپے ہوئے پس دوستان
تو یہ کون ہیں؟
یہ جو روگ سے ہیں چھپے ہوئے پس جسم وجان
تو یہ کس لئے؟
یہ جو کان ہے میرے آہٹوں پر لگے ہوئے
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو ہونٹ ہیں صف دوستاں میں سلے ہوئے
تو یہ کس لئے؟
یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو سنگ سا کوئی آ گرا ہے جمود میں
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دل میں درد چڑھا ہوا ہے لطیف سا
تو یہ کس لئے؟
جو تتلیوں میں ہے عکس کوئی خفیف سا
سو یہ کب سے ہے؟
یہ جو آنکھ میں ہے کوئی برف سی جمی ہوئی
تو یہ کس لئے؟
یہ جو دوستوں میں ہے نئی کمی ہوئی
تو یہ کیوں بھلا؟
یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے ہیں فضول میں
انہیں کیا پتہ انہیں کیا خبر؟
کسی راہ کے کسی موڑ پر جو انہیں ذرا
کبھی عشق ہو تو پتہ چلے............

☆......☆......☆......☆......☆

اور آج پورے چھ دن بعد وہ اس کے مقابل تھا وہ کچھ دیر قبل ہی باتھ لے کر نکلی تھی' اب بیڈ پر نیم دراز خشک ہوتے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی' وہ بے حد تیزی سے کمرے میں داخل ہوا تھا اور اس کی طرف دیکھے بنا الماری میں جا گھسا۔

وہ حیران سی لیٹی رہ گئی تھی مختلف فائلوں کو الٹتے پلٹتے وہ بہت عجلت میں لگ رہا تھا پانچ' دس' پندرہ' پینتالیس منٹ گزر

گئے تھے اور وہ فائلوں کا باریک بینی سے جائزہ لینے میں مصروف تھا جانے کیوں ژالے کو اپنا نظر انداز کئے جانا بہت کھلا تو وہ خفا ہو کر بیڈ سے اٹھی اور ڈریسنگ ٹیبل سے ہیئر برش لیتی باہر نکل گئی۔ اذلان شاہ نے پہلی بار خالی بیڈ پر نگاہ کی اس کے خیال میں وہ اس سے ابھی تک ناراض تھی۔

"ڈیئر! اس عادل نام کی مصیبت سے نپٹ جاؤں اس کے بعد تمہارا ہی نمبر ہے"۔ وہ سیل پر نمبر ملانے لگا۔

"کچھ ڈیٹیلز میں نے کاپی کرلی ہیں مہران لغاری کے کیس میں بھی اس کا نام ہے وہ فائل میں اسٹڈی کر ہی رہا ہوں چند منٹ او کے میں ابھی ہی نکلتا ہوں"۔ چند فائلیں بریف کیس میں ڈال کر وہ الماری بند کرتے ہوئے اب کسی اور سے بات کر رہا تھا۔

"اگر اس نے فائر کیا تو تم بھی گولی چلا دینا فی الحال اس کو قابو کرو نہیں اسے گاؤں کے اندر بھی داخل نہیں ہونے دینا پوری طرح گھیرے میں لے لو ژالے آفندی کا نام اب اس کی گندی زبان پر کبھی بھی نہیں آنا چاہیئے"۔ باہر سے آتی ژالے اپنا نام سن کر بری طرح چونکی تھی۔

بریف کیس ہاتھوں میں لئے وہ تیزی سے باہر نکلا تو اندر آتی ژالے سے ٹکرا گیا اس کے فولادی سینے سے ٹکراتے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں

"کیا مصیبت ہے؟ دیکھ کر نہیں چل سکتے"۔ وہ پہلے ہی سے تپی ہوئی تھی۔

"میں بہت امپورٹنٹ مشن پر جا رہا ہوں اپنا یہ غصہ وصہ بھول کر میرے لئے دعا کرنا"۔ اس کا گال تھپتھپا کر وہ آن واحد میں سیڑھیاں اتر گیا تھا۔

"آئندہ ژالے آفندی کا نام اس کی گندی زبان پر نہیں آنا چاہیئے"۔ اپنے گال پر ہاتھ رکھے وہ بے تابی سے اس کے پیچھے لپکی۔

"اذلان"۔ مگر وہ سیڑھیاں اتر چکا تھا۔

"کیا ہوا بھابھی؟" مسبیلا پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے سے نکلی۔

"وہ اذلان"۔

"کیا بھائی آئے ہیں؟ کہاں ہیں؟"

"ابھی آئے تھے اور ابھی چلے بھی گئے"۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگی اس کا نام کس کی گندی زبان پر تھا یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی عادل عرفان کو اس نے کبھی دوست سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ دوستی بھی اسی لئے تھی کہ وہ شروع سے ان کے ساتھ والے گھر میں ارشد انکل کے ساتھ رہتا تھا ارشد انکل، ہشام آفندی کے عزیز ترین دوستوں میں شمار ہوتے تھے اور ان کی دوستی خود بخود ہو گئی تھی اس دوستی میں زیادہ ہاتھ عادل کا ہی تھا اسے شروع سے ہی اس پر رعب جمانے کی عادت سی تھی ارشد انکل کی وفات سے پہلے وہ اسے تو جانتی تھی مگر اس کے کرتوتوں سے لاعلم تھی ارشد اور ہشام آفندی ہر کام چھپ کر اور رواداری سے کرنے کے عادی تھے جبکہ وہ دھڑلے سے غیر قانونی کام کرنے لگا تھا ہزاروں لڑکیوں سے اس کی دوستی تھی، ڈرگ اسمگلنگ میں وہ کم عمری سے ہی جیل کی ہوا کھاتا رہا تھا، یونیورسٹی میں تنظیموں کے مابین لڑائی میں دو کلاس فیلوز کو موت کے گھاٹ بھی اتار چکا تھا مگر پیسے کی طاقت اسے ہر جرم سے بچاتی آئی تھی وہ کتنا خطرناک شخص ہے یہ اس کے خیال میں صرف وہی جانتی تھی وہ ژالے آفندی کو حاصل کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا تھا۔ اس کا اندازہ اسے ابھی کھڑے کھڑے ہوا تھا جب تک وہ پورچ میں آئی وہاں اڑتی دھول کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"اپنا یہ غصہ وصہ بھول کر میرے لئے دعا کرنا"۔ اس نے کہا تھا اور اس کا روم روم سراپا دعا بن گیا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

یہ بھی آداب ہمارے ہیں تمہیں کیا معلوم
ہم تمہیں جیت کے ہارے ہیں تمہیں کیا معلوم
اک تم کہ سمجھتے ہی نہیں ہو ہم کو
اک ہم ہیں کہ تمہارے ہیں تمہیں کیا معلوم

وہ اس وحشت بھری جگہ پر کبھی نہیں آنا چاہتی تھی مگر اس کی قسمت اسے دوبارہ یہاں لے آئی تھی، پہلی بار آئی تھی تو اس کا باپ زندگی اور موت کی جنگ میں زندگی ہار گیا تھا جب بھی یہی جگہ تھی یہی لوگ تھے اور اس کی برستی ہوئی آنکھیں۔ آج بھی وہ نادیہ بیگم کی بانہوں میں منہ چھپائے تڑپ کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز تھی اپنی 20 سالہ زندگی میں اس نے کبھی خدا سے کچھ نہیں مانگا تھا اسے کبھی مانگنے کی حاجت ہی نہیں ہوئی تھی کبھی، اسے تو ہمیشہ سب کچھ بن مانگے ملا تھا حتیٰ کہ وہ بھی جس نے اسے محبت کا ہنر سکھایا تھا جس نے پہلی بار اسے جھکنے کا قرینہ سکھایا تھا وہ کل سے دعائیں مانگ رہی تھی، پورے چوبیس گھنٹے گزر گئے اذلان شاہ کو موت وزیست کی کشمکش میں کل وہ لرزتے دل کے ساتھ وہیں بیٹھی رہ گئی تھی جانے کتنی دیر گزر گئی تھی اسے وہاں بیٹھے جب فون کی چنگھاڑتی گھنٹیوں نے اس کا دل ایک پل کو بند کر دیا تھا۔

"ہیلو"۔ وہ دوپٹے اور چپل کی پرواہ کئے بغیر لاؤنج تک آئی تھی۔

"ہیلو! میں انسپکٹر فراز بات کر رہا ہوں آپ لوگ پلیز اسپتال آجائیں"۔

"کک...... کیا ہوا؟" اس کے واہمے سچ ہونے لگے تھے۔

"وہ ایس پی اذلان شاہ...... آپ لوگ پلیز جلدی کریں ان کو گولی لگی ہے"۔

"کیا......؟" ریسیور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

"بھابھی"۔ سبیلہ اس کی حالت دیکھ کر چلائی نادیہ بیگم کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔

"بیلا! وہ اذلان کو گولی لگی ہے"۔ وہ بے تحاشہ رو رہی تھی اور پھر اسپتال تک کیسے پہنچی اسے کچھ خبر نہیں ہو سکی تھی۔ عادل عرفان موقعے پر ہی جاں بحق ہو گیا تھا اس کی موت کی خبر اخبار میں چھپ چکی تھی جرم کی دنیا کا ایک اور باب بند ہوا تھا پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایس پی اذلان شاہ کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا اور وہ یہاں......

"مبارک ہو آپ کے بیٹے کو ہوش آگیا ہے"۔ سرجن ہمدانی نے محسن شاہ کے شانہ پر ہاتھ رکھا اور وہ فوراً سربسجود ہو گئے تھے سب کے چہروں پر خوشی کی رمق دوڑی تھی اور ژالے آفندی کا کب کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔

☆......☆......☆......☆......☆

اس کے کمرے کے باہر لوگوں کا جم غفیر چھٹتے چھٹتے رات ہو چکی تھی وہ اس سے بات کرنے کو بے تاب تھی اور وہ مسکرا مسکرا کر بوکے وصول کر رہا تھا گلاس ڈور پر ناک لگا کر اس نے کتنی ہی بار اس کے وجیہہ چہرے کو دیکھا تھا

چھیڑیں گے وہی قصہ غم اور طرح سے
لائیں گے تجھے راہ پر ہم اور طرح سے
ہم سوچتے رہتے ہیں عطا اور طرح کی
دیتا ہے تیرا دست کرم اور طرح سے

''ثوا نے نہیں آئی؟'' اس نے بیلا سے سرگوشی میں پوچھا تھا۔

''بھابھی...... نہیں...... نہیں آئی ہیں بھابھی''۔ وہ جو شرارت کرنے جا رہی تھی اس کی حالت کے پیش نظر سچ بول گئی

''تو پھر اندر کیوں نہیں آ رہی؟''

''یہ آپ کے چاہنے والے یہاں سے ہٹیں گے تو بھابھی بے چاری کا نمبر آئے گا نا''۔

''تمہاری بھابھی بے چاری کب سے ہو گئیں بے چارہ تو میں ہوں نا''۔

''کوئی نہیں...... آپ کی وجہ سے ان کو اپنی غزالی آنکھوں پر اتنا ستم کرنا پڑا کل سے رو رو کر برا حال کر لیا ہے انہوں نے اپنا''۔

''سچ''۔ اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''سچ کہہ رہی ہو بھائی! بے حد پریشان تھیں وہ آپ کے لئے تھینک گاڈ کہ اس نے آپ کو نئی زندگی دی بھائی''۔ اس کی پلکیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

''پگلی...... اب تو بھیج دو اسے اب تو کمرہ خالی ہو گیا ہے امی اور شاہ جی کدھر ہیں؟''

''امی شکرانے کے نوافل پڑھ رہی ہیں اور شاہ جی سرجن ہمدانی کے پاس ہیں خالہ سعدیہ اور ماموں وغیرہ کی فیملیز بھی پہنچنے والی ہیں بس''۔

''اور پلیز پہلے تم میری نخریلی بیوی کو بلا دو''۔

''بھیجتی ہوں بھائی''۔ وہ ہنستے ہوئے باہر نکلی تھی وہ یونہی آنکھیں موند کر لیٹ گیا دو گولیاں سینے کے اوپر لگی تھیں اور ایک ٹانگ کو چھوتے ہوئے گزری تھی کچھ دیر بعد اس کے سرد ہاتھ پر کسی کا نرم لمس جگا تھا اس نے آنکھیں یونہی بند رکھیں۔

''اذلان''۔ اس نے ہولے سے پکارا تھا۔

''آئی ایم سوری اذلان!'' اس کا آنسو ہاتھوں کو جلا گیا۔

''رو کیوں رہی ہو بچ گیا ہوں اس لئے؟'' جان بوجھ کر موڈ خفا رکھا۔

''پلیز''۔ ہاتھ بے ساختہ اس کے لبوں پر گیا تھا۔

''تمہاری زندگی میں میں کب اتنی اہمیت اختیار کر گیا ثوا لے کہ تمہیں میرے ہونے یا نہ ہونے سے فرق پڑنے لگا''۔

''آپ رلانے والی بات کر رہے ہیں پھر کہیں گے رو کیوں رہی ہو؟''

''آپ......'' اس نے چونک کر اس کی مترنم آنکھوں کو دیکھا جو مسلسل رونے کے باعث مزید سحر انگیز ہو گئی تھیں۔

''یہ تم مجھے اتنی تعظیم کب سے دینے لگی ہو؟''

''آپ مجھے شرمندہ ہی کرتے رہیں گے اسی لئے بلایا تھا''۔

''میرے بلانے پر ہی آئی ہو نا خود تو نہیں آئیں''۔

''میں آنا چاہتی تھی مگر''

''مگر''۔ وہ اب تک کھڑی تھی اذلان نے اسے کھینچ کر بٹھا لیا۔

''عادل''......؟

''میں اس وقت صرف اپنی اور تمہاری بات کرنا چاہتا ہوں کوئی تیسرا نہ ہمارے درمیان آئے گا نہ آنا چاہیئے''۔

''آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟''

''ناراض میں تم سے ناراض کب تھا ڈیئر وائف ناراض تو تم تھیں''۔

''اب نہیں ہوں''۔

''دس نوافل پڑھوں گا شکرانے کے ویسے سزا تو تمہیں ضرور ملے گی''۔

''سزا...... وہ کیوں؟'' اس نے آنکھیں پھیلائیں۔

''ایک پولیس آفیسر کا دل چرانے کی سزا اور وارداتِ قلبی کی سزا پتہ ہے کیا ہوتی ہے؟''

''کیا......؟''

''عمر قید''۔

''وہ تو آپ دے ہی چکے ہیں''۔

''ہاں مگر قید بامشقت ہوتی ہے''۔ اس نے آنکھ کا کونا دبایا۔

''اف...... کتنے چیپ آفیسر ہیں آپ''۔ وہ بے ساختہ ہنسی تھی اذلان مبہوت سا ہو کر اسے دیکھے گیا۔

''کیا ہوا؟''

''کتنا خوب صورت ہنستی ہو تم ہنستی رہا کرو نا''۔

''یہ تو آپ پر ڈپینڈ کرتا ہے ہنساتے ہیں یا رلاتے ہیں''۔

''شش...... رلانے کی باتیں مت کرو''۔

''کل سے رلا ہی تو رہے ہیں''۔

''اچھی بات ہے نا تمہاری محبت کا اندازہ ہو گیا ہے مجھے ورنہ میں بے چارہ کب تک تمہاری راہ تکتا رہتا''۔

''میں تو کب کی ہار چکی ہوں اذلان''۔

''تو پھر بتایا کیوں نہیں؟''

''پتہ نہیں......''

''اچھا! میں شاید کل تک ڈسچارج ہو جاؤں میرے گھر آنے سے پہلے تم نے ولیمے والا ویڈنگ ڈریس پہننا ہے بالکل اس دن کی طرح تیار ہونا ہے''۔

''مگر''۔

''کوئی اگر مگر نہیں تمہیں اگر میرے دل کی پرواہ ہے تو دلہن بننا ہو گا میں نے جی بھر کر دیکھا بھی نہیں تھا تمہیں''۔

''اچھا وہ جو سیڑھیوں پر اس دن گھور رہے تھے وہ''۔

''صرف دو منٹ کیا بات کرتی ہو یار! ویسے اچھی تو تم مجھے ہر حال میں لگتی ہو مگر میں اسپیشل زندگی کی شروعات اسپیشل طریقے سے......'' معاً ٹیبل پر بجتے سیل فون نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی اس نے او کے کا بٹن پش کر کے اسپیکر آن کیا۔

''بھائی! سعدیہ خالہ اور ماموں وغیرہ آ چکے ہیں اور اب اوپر ہی آ رہے ہیں''۔ یہ کہہ کر سمیلہ نے فون بند کر دیا۔

''او...... ظالم سماج آ گیا''۔ اس نے دہائی دی تو وہ ہنستی چلی گئی پھر اس کے پاس سے اٹھنے لگی تو اس نے ہاتھ تھام لیا اب کی بار دونوں ہی ہنسنے لگے تھے۔

======= ختم شد =======